



درگا سہبائے سرور جہاں آبادی

محمد عاشق علی



ہندستانی
او ب کے
معمار

در گاہِ سرور جہاں آبادی

ہندستانی ادب کے معمار

درگا سہمائے سرور جہاں آبادی

محمد عاشق علی



سماہنیہ اکادمی

Durga Sahay Suroor Jahanabadi : A monograph in Urdu by Mohd. Ashiq Ali on the Urdu author. Sahitya Akademi, New Delhi (2001), Rs. 25.

© ساہتیہ اکادمی

پہلا ایڈیشن : ۲۰۰۱ء

ساہتیہ اکادمی

ہیٹ آفس :

رویندر بھومن-۵ فیر ور شاہ روڈ، ننی دہلی ۱۱۰۰۰۱

سیلز آفس :

سواتی، مندر مارگ، ننی دہلی ۱۱۰۰۰۱

علاقائی دفاتر:

جیون تارا بھومن، ۱۲۳/۳۲۱ ایکس، ڈاہمند بار بر روڈ، کولکاتا ۷۰۰۰۵۳
۱۷۲، ممبئی مر اتحمی گرنچہ سنگھر اے مارگ، داور، ممبئی ۴۰۰۰۱۳
سینٹر لکچ کپس، ڈاکٹری۔ آر۔ امبیڈ کرویدھی، بنگور ۵۶۰۰۰۱
سی۔ آئی۔ آئی۔ کپس، آئی۔ آئی۔ آئی۔ آئی۔ پوسٹ، تارامنی، چینی ۶۰۰۰۱۳

قیمت : ۲۵ روپے

ISBN 81-260-1019-3

Website : <http://www.sahitya-akademi.org>

کمپیوٹر کمپوزنگ: محمد سالم ۲۷/۳۱۶ تراوک پوری، دہلی ۱۱۰۰۹۱

طباعت : کلر پرنسٹر، دلتی ۱۱۰۰۳۲

فہرست مندرجات

پیش لفظ

۹

باب اول : احوال

۱۳

وطن

۱۵

خاندان

۱۷

بچپن، ولادت اور ابتدائی تعلیم

۱۸

طب کی تعلیم

۲۰

معاشی ٹگ و دو

۲۰

انیس ہند میں ملازمت

۲۱

بلدور میں اتنا لیقی

۲۲

رفیقتہ حیات کی وفات

۲۵

زمانہ کا نپور کی ملازمت

۲۵

بیٹے کی وفات

۲۸	وفات
۳۰	سرور کی شخصیت
۳۳	باب دوم : تصنیفات
۳۳	جام سرور
۳۴	خمنانہ سرور
۳۵	خمکدہ سرور
۳۶	خون ناحق
۳۶	نیرنگ قلق
۳۷	دوشنا قلق
۳۷	نشرستم
۳۸	نالہ خونچکاں
۳۸	شیيون
۳۹	ہنگامہ محشر
۳۹	وصال
۴۰	شاعری
۴۰	سرور کی شاعری
۴۲	معاصرین کا اعتراف

باب سوم : سرور کی شاعری پر تبصرہ

۴۵

۵۲

فطرت نگاری

۵۵

عشقیہ شاعری

۶۰

مذہبی شاعری

۶۵

مرثیہ نگاری

۷۰

باب چہارم : انتخاب کلام

مادر ہند

پھولوں کا کنج

خاک وطن

شہر آشوب

نوروز کی آمد اور ایک اسیر قفس کی فریاد

بد نصیب بنگال

شمع انجمان

نیا سال اور نئی امیدیں

کارزار ہستی

لالہ صحراء

بیر بہوئی

ماریا سمیں

شیون عروس

سیتا جی کی بے قراری

رباعیات

پیش لفظ

پنڈت درگا سہائے سرور جہاں آبادی اردو کے اویں نظم گو شعرا میں سے بیس جنھوں نے اردو نظم کی تشكیل میں اپنا کردار ادا کیا۔ اگر اردو نظم کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ اندازہ لگانا دشوار نہ ہو گا کہ سرور جہاں آبادی سے قبل اردو نظم کی تاریخ میں صرف چند نام ہی قابل ذکر ہیں۔

مولانا حسین آزاد اور خواجہ الطاف حسین حالی نے شاعری میں جس مقصدیت کو فروغ دینے کی تحریک چلائی اور اس مقصدیت کے تحت چونکہ نظم ہی زیادہ معتبر صنف سخن تھی اس لیے نظم کو دیگر اصناف پر فوکیت دی۔ سرور جہاں آبادی اسی روایت کے امین تھے۔ فطرت نے ان کو صنف نظم میں اعلیٰ تخلیقی صلاحیتیں عطا کی تھیں، ماحول کی برگشته مزاجی اور قدیم ڈھانچہ کی شکست و ریخت نے ان کو اظہار خیال کا زبردست میدان عطا کر دیا تھا۔ اسی لیے سرور اپنے عبد کی ایک منفرد آواز بن گئے۔ ایسی آواز جس نے اول وبلہ میں ہی لوگوں کو چونکا دیا، اور وہ غیر اختیار طور پر اس آواز کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مولانا حالی کو یہ اپنے دل کی صدائے بازگشت محسوس ہوئی۔ انھوں نے اس عظیم مگر گمنام شاعر کے دیدار کے لیے جہاں آباد کا سفر کیا، سرور کی

ابتدائی نظموں پر دیدہ اور نادیدہ مذاہوں نے خوبصورت تبصرے کیے جو ان کی انفرادیت کی علامت ہیں۔

سرور نے نظم کے موضوعات ایسے اچھوٹے منتخب کیے جو اس سے قبل اردو شاعری میں متعارف نہیں تھے۔ سرور نے تاریخی شخصیات پر نظمیں لکھیں، معاصر شخصیات کے مرثیے لکھے، فطرت کی تصویر کشی کی، پہاڑیوں، ندیوں، موسموں، پھولوں اور خوبیوں پر شاعری کی، وطن کی عظمت کے گنگے، فطرت انسان اور جذبات و احساسات کو گویاں عطا کی۔

سرور کی نظموں میں خاک و طن، سر زمین وطن، چتوڑ کی عظمت، شہر آشوب، پریاگ کا سنگم، پھولوں کا کنج، گنگا جمنا، شیون عروس، امید طفلی، بچپن کی یاد، حضرت شباب، بیر بھوٹی، ماریا سمیں، نور جہاں، سیتا جی کی بے قراری وغیرہ ایسی لازول نظمیں ہیں جو اردو نظم کی تاریخ میں یاد گاریں۔

قسام ازل نے سرور جہاں آبادی کو مہلت عمر بہت کم دی تھی، ان کے معاصرین نے ان سے بڑی توقعات وابستہ کی تھیں لیکن صرف ۳۹ سال کی قلیل عمر میں جبکہ ان کی شہرت کا آفتاب نصف النہار کو بھی نہیں پہنچا تھا کہ یہ طویل خوش بیاں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

خوش درخیل دلے شعلہ مستجل بود

سرور رخصت ہو گئے لیکن اپنے پیچھے اتنا سرمایہ چھوڑ گئے کہ اردو کی کئی نسلوں کی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ اردو والوں کا الیہ ہے کہ وہ اپنے عظیم مصنفوں کو ان کی انفرادیت کے ساتھ ان کو صحیح مقام نہیں دیتے۔ سرور بھی اس سے مستثنی نہیں، ان کی شاعری پر بھی مرور ایام کی گردنے اپنی تہہ جمانی شروع کر دی تھی کہ قاضی محمد غوث فضاحیدر آبادی نے سرور کا کام یکجا کر کے شائع کیا اور آنے والوں کو سرور کی اہمیت سے روشناس کرایا۔ اس کے بعد ڈاکٹر حکم چند نیر نے سرور کی شخصیت اور ان کے ادبی کارناموں کو اپنے تخلیقی مقالے کا موضوع بنایا کردار داد تحقیق دی اور سرور کی حیات و

شاعری پر معرکہ آرائی کتاب منصہ شہود پر آئی۔ سرور کی خدمات کو یاد رکھنے اور ان کے پیغام کو اگلی نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کے سلسلے میں میری بھی یہ حقیر سی کاوش ہے۔

اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ سرور کی شخصیت اور شاعری کے مختلف پہلوؤں سے قاری اک اعارف ہو جائے اور سرور کا ایک مختصر انتخاب کلام بھی شائع ہو جائے۔ یہ کتاب کوئی محققانہ مقالہ نہیں ہے بلکہ یہ صرف ایک شخصیت اور اسی کے کلام کا اعارف ہے اور اس کو اسی حیثیت سے دیکھنا چاہیے۔

ناسپاسی ہو گی اگر پروفیسر ابوالکلام قاسمی اور ڈاکٹر صغیر افرائیم کا شکریہ ادا نہ کروں جن کے مشورے میرے لیے ہر گام پر رہنمائی کرتے رہے۔ کتاب کی ترتیب اور مواد کی فراہمی میں برادرم مشتاق احمد تجاروی کے بیش بہا تعاون کے لیے ان کا ممنون ہوں۔

۲۰ مئی ۲۰۰۰ء

محمد عاشق علی

شعبہ ہندی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

احوال

وطن

جہاں آباد پیلی بھیت سے ۵ میل دور کیلاش ندی کے کنارے واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف ندیاں بہتی ہیں۔ ایک طرف دیوبند و سری طرف بھاگول اور ایک سمت میں اپر اندری ہے۔ ندیوں کے درمیان گھرے ہونے کی وجہ سے یہ ایک جزیرہ نما سامحسوس ہوتا ہے۔ پہاڑی کے دامن میں آباد یہ قصبه جہاں آب و ہوا اور موسم کے لحاظ سے خوشگوار ہے وہیں اس قصبه کے ساتھ کئی ایسی روایتیں منسوب ہیں جو اس کو ہندو دیومالا میں ایک قدس کا مقام عطا کرتے ہیں۔

جہاں آباد کا قدیم نام بلئی ہے، عہد اکبری میں یہ پر گنہ تھا، عہد جہانی میں شاہ جہاں نے متعدد ہندو مسلم شرفاء کو اس علاقے میں جا گیریں دیں، جس کی وجہ سے اس قصبه کی رونق بڑھ گئی۔ صوبے دار میر جان کے ایما پر اس کا نام جہاں آباد رکھ دیا گیا۔

جہاں آباد میں متعدد قدیم آثار و نشانیاں ہیں۔ مشہور ہے کہ ہندو اساطیر نے راجہ بل یا بالی کا تعلق اسی قصبه سے تھا ممکن ہے انہی کے نام پر اس کا نام بلئی رکھا گیا

ہو۔ اس قصبه میں ایک مٹی کی دیوار نما بے جس کی چوڑائی ایک میل اور اونچائی ۲۰ فٹ ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ قلعہ کی دیوار ہے۔ اس دیوار کے قرب و جوار میں دو شکنہ تالاب ہیں اس جگہ کو چکر تیر تھے کہا جاتا ہے، شمال میں پر نیام نام کا ایک تالاب ہے جس کے کنارے ایک ہندو رشی اور گھڑ بابا کی سمادھی ہے۔ جنوب میں ایک اور مقدس مقام منوکا منا ہے یہاں لوگ عقیدت و احترام کے ساتھ زیارت کرنے آتے ہیں۔ ہمایہ کے قریب ہونے کی وجہ سے ہمایہ کی گنجائی میں تپ کرنے والے رشی منی بھی ہر سال سر دیوں میں یہاں آتے تھے۔

جہاں آباد کے قریب شیر گڑھ نام کا ایک قصبه ہے اس سے قدس اور عظمت پارینہ کی متعدد روایتیں منسوب کی جاتی ہیں وہاں بڑے بڑے رشی منیوں نے تپ کیا اور ریاضتیں کیں، ان سب وجوہات کی بنابر اس پورے خطے کو ایک تیر تھے کا مقام حاصل ہے۔ یہاں عقیدت مند زیارت کے لیے آتے رہتے ہیں۔

جہاں آباد ایک چھوٹا سا قصبه ہے۔ لیکن عبد و سلطی میں اس کی خاص اہمیت تھی۔ اس کی آبادی تقریباً ۲۵ ہزار تھی جبکہ ۱۸۷۲ء میں صرف چار ہزار رہ گئی تھی۔ عبد شاہ جہانی میں اس قصبه میں کائنات کے سات سو گھر تھے۔ کچھ مغل اور پٹھانوں کے بھی تھے تاہم خاص اہمیت کا نسبت کائنات کو حاصل تھی۔ یہاں کے بیشتر کائنات خاندان دہلی سے نقل مکانی کر کے یہاں آباد ہوئے تھے۔

جہاں آباد پر ۱۸۵۷ء میں روہیلوں کی عملداری قائم ہوئی اور انہوں نے پہلی بھیت کو اپنا صدر مقام بنایا۔ پہلی بھیت کی اس اہمیت کا جہاں آباد پر اچھا اثر نہیں ہوا۔ جہاں آباد کے بیشتر تاجر پیشہ اور روپاں پہلی بھیت منتقل ہو گئے۔ ۱۸۶۳ء میں جہاں آباد سے تحصیل بھی منتقل ہو گئی اور اس کی رہی سبی رونق بھی رو بزوں وال ہو گئی۔^۱

^۱ حکم چند نیر: سرور جہاں آبادی: حیات اور شاعری، ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ، ۱۹۶۸ء، ص ۸۰۔

خاندان

احوال

درگا سہائے سرور کا نسبی تعلق جہان آباد کے ایک معزز کا نستھ گھرانے سے تھا۔ ان کا خاندان اصلاد بیلی کا تھا۔ عہد شاہجہانی میں جب شاہجہان نے ان کے بزرگ کو جہان آباد میں جا گیر دی تو دبی سے ترک سکونت کر کے جہان آباد میں رہائش پذیر ہو گیا۔ درگا سہائے کے خاندان میں فارسی زبان و ادب کا رواج تھا۔ اردو کی ترقی کے ساتھ جہاں دوسری قوموں نے عنان سخن اردو کی طرف پھیری وہیں کا نستھ گھرانوں میں بھی اردو شعر و سخن کا چرچا شروع ہوا۔ جہاں آباد اس سے مشتمل نہیں تھا وہاں کا نستھوں میں بھی اردو اپنی سحر آفرینی کے سبب گھر گھر کی زبان بن گئی۔ جہاں آباد کے شاعروں میں گرامت حسین بہار، حکیم خلیل الرحمن (یہ کا نستھ تھے۔ مشتی ہر گوپال تفتہ کے خاندان سے تھے۔ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) مشتی تج رائے کشہ جہاں آبادی، اپنے وقت کے مسلم الثبوت استاد اور فارسی کے زبردست شاعر تھے۔ ان کے علاوہ مشتی ریوتی لال بے جان، رحوبر سہائے بربیاں، آندھ سروپ بکل، ہنر، اندر، ضامن حسین گویا وغیرہ قابل ذکر شعر اکا تعلق اسی سر زمین جہان آباد سے رہا ہے۔ سرور کے والد مشتی پیارے لال پیشہ کے اعتبار سے وید تھے۔ ان کا شمار شہر کے معزز رو سما میں ہوتا تھا۔ میں سال تک ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر رہے۔ خاندانی زمیندار تھے۔ علم و ادب کا ششہ ذوق رکھتے تھے۔ اردو کے علاوہ فارسی اور سنگرہ کے بھی عالم تھے۔ اگرچہ خود شاعر نہیں تھے لیکن شعر و سخن کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ اعلیٰ پائے کے سخن شناس اور شعر و ادب کے رمز آشنا تھے۔ شعر سننے اور پڑھنے کا خصوصی شوق و ذوق تھا۔ اکثر مشاعرے سننے کے لیے لکھنؤ اور دبی جایا کرتے تھے۔ جہاں آباد میں اپنے گھر پر ہر ماہ شعری نشت منعقد کیا کرتے تھے اور بسا وقات اس نشت میں جہاں آباد کے باہر سے بھی شعر اکو مد عو کیا کرتے تھے۔ اس طرح درگا سہائے کو جو ماحول ملا وہ خالص ادبی اور شعری ماحول تھا۔ ان کا بچپن یقیناً اس وقت

درگا سہائے سرور جہاں آبادی

جہاں آباد کے اہم شعر اکی خدمت میں گزرابوگا۔

حکیم پیارے لال کے ۲۰ نچے پیدا ہوئے لیکن دست بے دادا جل سے
چھوٹ کر صرف سات نچے جوانی کی دبلیز تک پہنچے۔ پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں۔
خاندان کا شجرہ اس طرح ہے:-

مشی لال جی رام

مشی جو گراب

مشی خوب چند

مشی پھول چند

مشی کشن لال

مشی مول چند

حکیم پیارے لال

مشی بلدیو سہائے دختر مشی بشن سہائے درگا سہائے دختر مصری لال و رما

واسدیو

(ایڈیٹر ناخدا پیلی بھیت)

مشی رگھو بر سہائے بریاں

حکیم آند سروپ بیکل

دختر دختر ہری شنکر سکینہ

۱۔ یہ شجرہ نسب ڈاکٹر حکم چند نیرنے اپنے تحقیقی مقالے 'سرور جہاں آبادی' حیات و شاعری 'میں درج کیا ہے۔ ان کی معلومات کا ذریعہ سرور جہاں آبادی کا ایک عزیز رکھیں دن پرشاد اندر و کیل للحکیم پور کھیری اور سرور کے ایک پڑوسی تربیتی سہائے ورما جہاں آبادی رئائر ڈا جنیشنر تھے جن کا انتقال علی گڑھ میں ہوا لاحظہ ہونہ کورہ کتاب ص ۸۲

بچپن ولادت اور ابتدائی تعلیم

درگا سہائے کی ولادت دسمبر ۳۷۱۸ء میں ہوئی۔ بچپن بے فکری میں گزر ا۔ سرور نے اپنی شاعری میں کئی جگہ بچپن کا تذکرہ کیا ہے کہ انھوں نے اپنا بچپن کس طرح گزار امثالاً محس کا ایک حصہ ہے۔

پھر خاک کا گھروند آنگن میں بنالوں چھوٹی سی کشتی اپنی پانی میں میں بھالوں طفیل کے پیارے پیارے معصوم گیت گالوں پھر بانسری بجالوں پھر جھنجھنا بجالوں دودن کوائے جوانی دیدے ادھار بچپن

بچپڑ میں وہ پھسل کر گلیوں میں لوٹ جانا اور میرے ہم سنوں کا وہ قہقہہ کا لگانا شانہ پکڑ کے میرا آہستہ پھر اٹھایا لت پت وہ گھر کو آنا وہ ماں کا مسکراانا کرتا نیا بدل کر کرنا وہ پیار بچپن

سن شعور کو پہنچنے کے بعد درگا سہائے کی تعلیم شروع ہوئی۔ والد فارسی و سنسکرت کے عالم تھے۔ ابتدائی تعلیم ان سے حاصل کی اس کے بعد اردو مڈل اسکول جہاں آباد میں داخلہ لیا۔ اس وقت اردو مڈل اسکول کے صدر مدرس مولوی کرامت حسین بہار بریلوی تھے۔ جو عربی فارسی اور اردو کے جید عالم تھے اور علم کے دلدادوں تھے۔ انھوں نے درگا سہائے کی ذہانت و فطانت سے متاثر ہو کر ان پر خصوصی توجہ دی، لاکھ شاگرد کو قابل استاد مل گیا۔ اور بہت قلیل وقٹہ میں درگا سہائے فارسی اور اردو کے ماہر ہو گئے۔ شعرو و سخن سے خصوصی لگاؤ تھا۔ اس لیے طبیعت شعر کی طرف مائل تھی۔ دونوں زبانوں کے ہزاروں اشعار حفظ یاد کر لیے۔ ۱۸۹۰ء میں مڈل کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔

جہاں آباد کا اسکول مڈل درجہ کا تھا۔ مزید اعلیٰ تعلیم کا انتظام جہاں آباد میں

نہیں تھا۔ اگرچہ درگا سہائے کے والد انھیں باہر بھیجننا چاہتے تھے تاکہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں لیکن بوجوہ وہ جہاں آباد سے باہر نہیں گئے۔ البتہ جہاں آباد میں بھی انگریزی سیکھی اور انگریزی سے بھی مڈل کا امتحان پاس کیا۔ انگریزی ادب کا مطالعہ بعد میں بھی جاری رہا اور انگریزی ادب کی اعلیٰ کتابیں، شعراء کے دو اون انھوں نے پڑھے۔ متعدد انگریزی نظموں کا اردو ترجمہ کیا۔ متعدد انگریزی شعر اپر انھوں نے کلام میں اظہار خیال کیا۔ شیلے اور کیش ان کے پسندیدہ شعراتھے، جن پر انھوں نے نظمیں لکھی ہیں۔^۱

طب کی تعلیم

درگا سہائے زبان و ادب کے شناور تھے انھیں تصوف و فلسفہ سے دلچسپی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنا آبائی فن بھی سیکھا تھا اور اس میں کامل دستیگاہ بھم پہنچائی تھی۔ بلکہ اپنے والد سے بھی گوئے سبقت لے گئے۔ ان کے والد بھی ان سے مختلف نسخوں کے سلسلے میں مدد لیا کرتے تھے، طب کی تعلیم انھوں نے اپنے والد سے حاصل کی تھی اور باقی مطالعہ کتب اور مشاہدہ و تجربہ تھا۔ طب کے ساتھ ساتھ آیوروید کی تعلیم بھی اپنے والد سے حاصل کی اور اس میں مہارت حاصل کرنے کے لیے سنسکرت زبان سیکھی۔ اس طرح فارسی، اردو اور انگریزی کے علاوہ سنسکرت زبان سے بھی واقف ہو گئے۔^۲

طب اور آیوروید میں ان کی مہارت اور حداقت سے متعلق ایک واقعہ کا ذکر کرنا بے جا نہ ہو گا۔ یہ واقعہ تربینی سہائے ورمانے ڈاکٹر حکم چند نیر کے نام ایک خط میں لکھا تھا۔ لکھتے ہیں:

۱۔ سرور جہاں آبادی حیات و شاعری ص ۸۵

۲۔ سرور جہاں آبادی حیات و شاعری ص ۸۶

نومبر ۱۹۰۱ء کی بات ہے۔ میں بعادرضہ سر سام سخت یمار تھا۔ اطمینان دے کر جواب دے چکے تھے۔ ڈاکٹری علاج بھی کارگر نہیں بورا تھا اتفاق کہیے یا میری خوش قسمتی کہ حضرت سرور اس دن کانپور سے جہان آباد آگئے۔ جو نبی اپنے گھر گئے انھیں میری یماری کی اطاعت مل گئی۔ سنتے ہی چلے آئے، گھر میں ایک کرام مجا تھا، حکیم پیارے لال صاحب اور حکیم خلیل الرحمن صاحب میرے پاس بیٹھے تھے، سرور صاحب میرے کمرے میں آئے ہر دو اصحاب نے آپ سے کہا کہ ذر اس پچے کو دیکھو، سرور صاحب نے بہت دھیان سے دیکھا اور سوچ بچار کرنے کے بعد کہنے لگے کہ میں اس کا علاج کرتا ہوں اگر پروردگار کو منظور ہوا تو بہت جلد صحت یاب ہو جائے گا۔ آپ نے نسخہ لکھا۔ دونوں حضرات نسخہ دیکھ کر حیران رہ گئے، سرور صاحب نے میرے والد سے کہا کہ ایک عطار کی دکان تمام رات کھلی رہے تاکہ ضرورت کے وقت دوائیں منگالی جاسکیں، حضرت تمام رات میرے سرہانے بیٹھے رہے اور شراب پیتے رہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ پر دوادیتے تھے، صح تک یماری کی شدت ختم ہو گئی۔ چار پانچ دنوں میں بالکل تند رست ہو گیا، کیا کہوں یہ ایک معجزہ تھا۔

اس واقعہ کو اس لیے نقل کیا گیا ہے کہ طب میں ان کی حداقت و مہارت کا اندازہ ہو سکے، جہاں پرانے طبیب جن میں خود ان کے والد شامل تھے عاجز نظر آئے تھے وہاں انھوں نے درست نسخہ تجویز کیا، لیکن طب میں اس مہارت اور دست میں شفا کے باوجود انھوں نے طب کو بطور پیشہ کبھی اختیار نہیں کیا۔ دو بالکل مفت دیتے تھے۔

غربیوں اور ضرور تمدنوں کا عالم زیادہ تند بی اور محنت سے کیا کرتے تھے۔

معاشی تگ و دو

سرور کے والد کا خواب تھا کہ ان کا بیٹا اعلیٰ تعلیم حاصل کرے۔ ہونہار اور ذہین بیٹے سے ایسی توقع رکھنا عبث بھی نہیں تھا لیکن قدرت کو کچھ اور بھی منظور تھا۔ وہ مڈل اسکول سے زیادہ باضابطہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ یہ اور بات ہے کہ مڈل تک بھی انہوں نے فارسی، اردو اور انگریزی میں مہارت حاصل کر لی تھی۔

سرور نے ۱۸۹۰ء میں بعمر کے اسال مڈل پاس کیا۔ اسی سال ان کی شادی ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی تعلیم کے ناقص رہ جانے میں ایک سبب ان کی بیوی بھی تھیں، بیوی نہایت حسین و تمیل، خوبصور، خوش خصال اور شوہر بروائی نیاری تھی۔ شوہر نے ایسی بیوی کی فرقت پر ترک تعلیم کو ترجیح دی، اور بیوی کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو کر جہاں آباد میں محبوس ہو گئے۔

سرور کے مجموعہ کلام میں ایک نظم بعنوان 'زن خوشخوا' ہے اس کے بارے میں بعض ماہرین کا خیال ہے کہ یہ نظم انہوں نے اپنی بیوی پر کہی تھی اور اس میں اسی کا سراپا اور اسی کی عادات و خصائص کا بیان ہے۔

انیس ہند میں ملاز مت

سرور بڑی حد تک معاشی تگ و دو کی مجبوریوں سے بے نیاز تھے۔ پشمیں آمدی اتنی ہو جاتی تھی کہ اس سے گزر بسر ہو جاتی تھی۔ اس لیے انہوں نے کبھی اس کی

۱۔ سرور کی تعلیم طب کا تذکرہ مصری لال درمانے اپنے مضمون سرور مبرور مطبوعہ 'زمانہ' کاپور، جنوری ۱۹۱۱ء میں بھی کیا تے اور دیگر تذکروں میں بھی ہے۔

طرف بہت زیادہ توجہ نہیں دی۔ البتہ لکھتے پڑھتے برابر رہتے تھے اور مختلف اخبارات و رسائل میں ان کے قطعے، رباعیاں اور نظمیں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ اسی دوران مارچ ۱۸۹۷ء میں پنڈت لیکھر ام آریہ مسافر کا سانحہ قتل پیش آگیا۔ سرور نے اس پر کئی پُر درد اور رقت انگلیز مرثیے کہے، قطعات تاریخ کہے، اے ان میں بیشتر انیس ہند میں شائع ہوئے بھی بعد میں کتابی شکل میں چھپے، ان مرثیوں اور نوحوں کی خوبی، روانی، سلاست اور اثر آفرینی نے اخبار کے مالک رام چند رویشیہ کو بہت متاثر کیا اور انہوں نے ایک معقول مشاہرہ پر اپنے اخبار انیس ہند اور مطبع و دیادرپن میں اسنٹ کی حیثیت سے مدد عوکیا۔ مئی ۱۸۹۷ء میں انہوں نے میرٹھ میں پہنچ کر اپنی ذمہ داریوں کا بار اٹھایا، لیکن ایسی آزاد طبیعت جس نے کبھی ذمہ داریاں نہ اٹھائی ہوں جو ملازمت کی مشقتوں سے نا آشنا ہو اور اس پر طرہ یہ کہ شاعرانہ مزاج ہو وہ طبیعت اپنے کو یہاں تک پابند سلاسل کر پاتی، اپنی افتاد طبع سے مجبور ہو کر جنوری ۱۸۹۸ء میں یعنی صرف آٹھ ماہ ملازمت کر کے وہاں سے استغفار دے کر اپنے کو ملازمت کی بندش سے آزاد کرالیا۔

ہلدور میں اتنا لقی

اب سرور کی شہرت دور و نزدیک پہنچ گئی تھی۔ یہاں سے ترک ملازمت کے بعد ہلدور ضلع بجور کے رئیس لالہ ڈال چند نے ان کو اپنے فرزند دولت کا اتنا لقی مقرر کیا۔ غالباً یہ مشغله ان کی طبع آزاد کے لیے راس آیا اس لیے یہاں کافی عرصہ رک گئے۔ دولت چند کی اچھی تربیت کی، انھیں زیورِ علم سے آراستہ کیا اور ساتھ ہی شعرو و خن کا ذوق بھی پروان چڑھایا۔ دولت چند جلد ہی اچھے شعر کرنے لگے۔ اور ان کے اشعار موقر

۱ یہ تمام مراثی اللگ سے کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکے ہیں، لیکن اب کم یا بیس۔

جراند میں شائع ہونے لگے۔ دولت چند نے استاد کا ایک مرثیہ بھی لکھا جو زمانہ کا پور کے اپریل ۱۹۱۱ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

بلدوڑ میں سرور نے مشغله شعر و سخن کے ساتھ تاؤں نویسی بھی شروع کی۔ ایک منظوم ڈرامہ لکھا۔ یہ دونوں ناویں اور ڈرامہ میرٹھ سے طبع ہوا۔

سرور فکری اعتبار سے آریہ سماجی تھے۔ اس زمانے میں آریہ سماج کا غلغلو تھا۔ آریہ سماج کے تحت مختلف سماجی برائیوں کی اصلاح کے لیے جدوجہد ہو رہی تھی۔ ان بھی میں نکاح بیوگاں کی ترغیب سے متعلق بھی جدوجہد ہو رہی تھی۔ سرور نے اس موضوع پر کئی نظمیں لکھیں۔ ان کی نظمیں بھی کتابوں کی شکل میں میرٹھ سے شائع ہوئیں۔

بلدوڑ میں سرور کی مصروفیات مشغله شعر و سخن تصنیف و تالیف اور مشاعروں میں شرکت تھی۔ انہوں نے اتا لیق کے فرائض بھی بحسن و خوبی انجام دیے۔ لاالہ ڈال چندان کے حسن تربیت سے اتنے متاثر تھے کہ ایک مرتبہ راجہ صاحب والی نہبئور ضلع بجنور بلدوڑ تشریف لائے تو لاالہ ڈال چند نے سرور کی اتنی تعریف و توصیف کی کہ خود راجہ صاحب ان کو اپنے ساتھ لے جانے پر مصروف ہو گئے۔ لاالہ ڈال چند نے پاس ادب سے بادل ناخواستہ انھیں راجہ صاحب کے ہمراہ بھیجا۔

راجہ صاحب نے سرور کو سور و پیہ ماہوار مشاہرہ پر اپنی اولاد کا اتا لیق مقرر کیا۔ سرور چند ماہ اپنے فرائض خوش اسلوبی سے نباہتے رہے۔ راجہ صاحب ان کی تعلیم و تربیت سے مطمئن تھے۔ اسی دوران سرور کی اہلیہ کی طبیعت علیل ہو گئی۔

رفیقہ حیات کی وفات

سرور اپنی اہلیہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے ان کو جیسے ہی اطلاع ملی فوراً رخصت لے کر جہاں آباد کے لیے روانہ ہو گئے۔ سرور نے اپنی اہلیہ کے علاج و معالجہ میں کوئی دقیقہ فروگز اشتہ نہ کیا لیکن وقت آخر آپ بنچا تھا، بالآخر دسمبر ۱۸۹۹ء میں ان

کی ابلیہ شنکر دیوی مجازی خدا کو چھوڑ کر مالکِ حقیقی کے دربار میں چل گئیں۔ سرور کے لیے یہ حادثہ فاجعہ جانکاہ ثابت ہوا۔ ان کی زندگی رنج و غم کا عنوان بن گئی۔ بیوی دو سال کا ایک بچہ و اسودیو چھوڑ کر مری تھیں۔ سرور کو ایک طرف ابلیہ کے مرنے کا غم تھا دوسری طرف چھوٹے سے بچے کی پرورش و پرواخت کا مسئلہ تھا۔ غم والم نے سرور کی زندگی کو اجیرن بنادیا۔ اگرچہ رفیقتہ حیات کی یادگار و اسودیو سے ان کا غم بلکہ ہوا ہو گا لیکن یہ سہارا کافی نہیں تھا۔ اس لیے غم میں شراب نوشی شروع کر دی جو تادم واپسیں جاری رہی۔

راجہ صاحب نہThor نے انھیں بارہا بایا پیغام بھیجے لیکن سرور نے جہاں آباد سے باہر جانا گوارنہ کیا اور ملازمت سے استغفاری دے دیا۔ ابلیہ کے غم میں شعر گولی بھی ترک کر دئی اور کئی سال سوائے سوگ منانے کے کوئی کام نہ تھا۔

وقت لاکھ دکھوں کی دوابے چار سال بیوی کا غم منانے کے بعد ۱۹۰۳ء میں زبان پر پڑے ہوتے ناکھل گئے۔ آتش غم کا لاوا شعر کی صورت میں زبان سے ابل پڑا۔

کب تک صدائے پہم یہ نالہ و فغال کی
آخر ہے انتہا بھی تیرے غم نہاں کی
چوٹیں جگر پہ کب تک اندوہ جانتاں کی
فریاد آہ سن لے مجھے زار و خستہ جاں کی
تیری طرح ہوں اف اف فرقہ نصیب میں بھی
کھوئے ہوئے ہوں یعنی اپنا جبیب میں بھی

جس طرح لوٹتا ہے تو درد جانتاں سے
ہوں بے قرار میں بھی یونہی غم نہاں سے
حرست ٹپک رہی ہے دونوں کی داستاں سے
دونوں کے یار دلبر رخصت ہوئے جہاں سے

راہی بھئے عدم کو دونوں کے یار جانی
چھپروں میں قصہ غم تو بھر کی کہانی

لیکن بدستور جہاں آباد میں مقیم رہے۔ راجہ صاحب نہبُور کی فرماںش و اصرار پر بھی انھوں نے جہاں آباد سے باہر جانا گوارانہ کیا۔

جہاں آباد کے قیام کے دوران ان کے لیے ایک مصروفیت نکل آئی۔ جہاں آباد کے قریب ایک قصبہ ہے فتح گنج غربی، فتح گنج غربی کے رئیس عبد الواحد خاں نے سرور کی علیمت اور قابلیت سے متاثر ہو کر اپنے اڑکے عبد الواحد خاں کی تعلیم و تربیت کا کام ان کے سپرد کیا۔

عبد الواحد خاں پڑھنے کے لیے باعوم فتح گنج سے جہاں آباد آیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی سرور بھی ان کو پڑھانے کے لیے فتح گنج چلے جاتے، سرور کو غالباً اپنے اس شاگرد سے بھی خصوصی لگاؤ بھوگیا تھا، سرور نے ایک مرتبہ عید کے موقع پر عبد الواحد خاں کے لیے ایک دعا سیہ قطعہ لکھ دیا۔ یہ قطعہ جام سرور میں شامل ہے۔

۱۹۰۲ء میں سرور پیلی بھیت کے ایک رئیس سا ہو منگل سین نے اپنے اڑکے دامودر سین کے اتالیق کی حیثیت سے سرور کا تقرر کیا۔ انھوں نے ۲۰ روپیہ ماہوار مشاہرہ پر ان کا تقرر کیا تھا۔

سرور صح نوبجے سے بارہ بجے تک دامودر کے مکان پر تشریف لاتے اور اردو فارسی کے علاوہ ریاضی کا بھی درس دیتے تھے۔ سرور کے شاگرد دامودر سین اکتوبر ۱۹۶۱ء میں حیات تھے، ان سے حکم چند نیر نے ملاقات کر کے سرور کے بارے میں مفید معلومات حاصل کیں۔

زمانہ کا نپور کی ملازمت

لیکن مالی پریشانیوں کی وجہ سے خاص طور پر شراب نوشی شروع کرنے کے بعد ان میں بے انتہا اضافہ ہو گیا تھا اس لیے مجبور اپنڈت دیارام نگم کے رسالہ 'زمانہ' کا نپور میں ملازمت اختیار کر لی۔

'زمانہ' میں ان کا تقریبہ نظم کے نگراں کی حیثیت سے ہوا تھا اگرچہ زمانہ جیسے موقد ادبی رسالہ میں ان کا تقریبہ صلاحیتوں کا اعتراف تھا، لیکن 'زنماہ' میں ان کی خدمات کس معیار کی رہیں اور انہوں نے 'زمانہ' کو کیا دیا؟ غالباً یہ سوال تشنہ تحقیق ہے۔ چونکہ وہ اطمینان کے ساتھ وہاں نہیں رہ پائے۔ ۱۹۰۵ء میں وہاں ملازمت اختیار کی ۱۹۰۶ء میں ان کے بیٹے کا انتقال ہو گیا اور ۱۹۰۷ء میں طویل غیر حاضری کے بعد انہوں نے 'زمانہ' سے استعفی دے دیا۔^۱

بیٹے کی وفات

سرور کے ایک ہی بیٹا تھا۔ اسے بھی اہلیہ دو سال کا چھوڑ کر مر گئی تھیں۔ سرور نے بچہ کو ماں کا پیار اور باپ کی شفقت دی اور کئی سال تک بچہ کی خاطر جہاں آباد سے باہر قدم نہیں نکالا۔ لیکن جہاں آباد سے نکلتے ہی نومبر ۱۹۰۶ء میں بیٹا یمار ہو گیا۔ فوراً جہاں آباد پہنچے، لیکن موت کو روکنا تو ان کے بس میں نہیں تھا۔ نو دس سال کی عمر میں بیٹا بھی ہاتھوں میں سے چل بسا، سرور کو بے انتہا غم ہوا، ابھی اہلیہ کا غم بھی نہیں بھول پائے تھے کہ یہ دوسرا غم ان کے سر پر قیامت بن کر ٹوٹ پڑا۔ بیٹے کی موت گویا ان کے کل خاندان کا خاتمه تھا۔ تین افراد پر مشتمل یہ خاندان نخل تمنا گم کر چکا تھا۔ اس

^۱ مصری لال درما، سرور 'زمانہ' کا نپور بابت جنوری ۱۹۱۱ء

لیے سرور کو اس حادثہ کا جواہر ہوا وہ غیر فطری نہیں تھا، وہ اس صدمہ سے اتنے متاثر تھے کہ اوگوں کو مگان بوا کہ کہیں عقل و خرد سے بے گانہ ہو جائیں یا کہیں اپنی جان بھی گنوں جیٹھیں، اس خدشہ کے پیش نظر خود ان کے والد حکیم پیارے لال نے ان کو بے انتبا شراب پلا دی۔ لیکن جس کا جگر لخت لخت ہواں کے لیے شراب سرور کا نہیں غم کا ہی عنوان بن جاتی ہے۔ سرور پر بھی اس کا ایسا ہی اثر ہوا۔

لخت جگر کو شمشان گھاٹ میں پردا آتش کر کے واپس آ رہے تھے۔ راستہ میں ان کے ایک شناسانہ عباد اللہ کا مکان تھا۔ انہی کے مکان پر بینٹھ گئے۔ اور غم جان کو شعر کے جامہ میں کاغذ پر انڈیل دیا۔ دل بے قرار سو جا، کے عنوان سے ایک لوری کا حصی جس میں ان کا سارا درد و غم سمٹ آیا۔

کسی مست خواب ہے عبث انتظار سو جا
کہ گزر گئی شب آدمی دل بے قرار سو جا
یہ نیم ٹھنڈی ٹھنڈی یہ بوا کے سرد جھوکے
تجھے دے رہی ہے لوری میرے غم گسار سو جا
مجھے خون رلا رہا ہے تیرا دم بدن تڑپنا
تیرے غم میں آہ کب سے ہوں اشک بار سو جا
ابھی دھان پان ہے تو نہیں عاشقی کے قابل
یہ تیش کا آہ شیوه نہ کر اختیار سو جا
نہ تڑپ زمیں پہ ظالم تجھے گود میں اٹھا لوں
تجھے سینہ سے لگا لوں تجھے کراں پیار آ جا
تجھے جن کا تصور ارے مست جام الفت
انہیں انکھڑیوں کے صدقے میرے بادہ خوار آ جا

ایک اور نظم میں نہایت رفت آمیز انداز میں اپنے بیٹے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا۔
 جان پدر سفر کے ہو قابل کہاں ابھی
 نہبرے رہو ذرا مرے سرور وال ابھی
 بوٹا ساقد پ کہہ دونہ چھائیں خزان ابھی
 دن گھر میں حیلے کے ہیں او میری جاں ابھی
 جانے کا عزم ہے جو دل ناصبور کو
 میں ساتھ لے چلوں گا تجھے کانپور کو

سرور پہلے ہی ٹوٹ چکے تھے۔ بیٹے کے غم نے بالکل اجل رسیدہ کر دیا، بیٹے کی موت
 سے وہ خل آرزو ہی نہیں رہا جس کے سوارے جیتے۔ کارزار حیات میں تمناؤں کی دنیا
 نمیشہ کے لیے فنا ہو گئی۔ بھا ایسے میں کوئی ہے بھی تو کیوں کر
 دم توڑتا ہوں میں زن و فرزند کے غم میں
 آگے بھی یا رب کوئی اب آس نہیں ہے
 بیٹے کے غم میں شراب نوشی میں اور اضافہ ہو گیا۔ ہمہ وقت گم گشتہ بوش و خرد رہنے
 لگے اور اپنے وجود کو بھلا کر غم عزیزاں کی تلخی کو جرuds تلخ کوش میں مد غم کر کے بے خود
 ہو گئے، ایسے عالم میں کہاں ملازمت کرتے اور کہاں اپنی ذمہ داریاں نباہتے۔ ’زمانہ‘ سے
 استغفی دے دیا اور شراب کے نشہ میں چور جہاں آباد میں پڑے رہے۔ دوپہر کو گھر سے
 نکل کر اپنے ایک دوست بلدیو پر شاد عطار کی دوکان پر جا بیٹھے۔ اگر کوئی خط ہوتا تو اس کا
 جواب لکھ دیتے، کوئی خط آتا تو وصول کر لیتے اور اگر کسی نظم کا کہیں سے معاوضہ آ جاتا

تو اس کی شراب منگوایتے، دوپہر ڈھنے آکر پھر شراب اور تصور یار میں ڈوب جاتے۔ کبھی کبھی عالم بے خودی میں زبان پر شعر جاری ہو جاتے تو ان کو حاضر باش قلم بند کر لیا کرتے اور بعد میں انہی کے مشورہ پر برائے اشاعت ارسال کیا جاتا۔

وفات

مہلت عمر کی کوئی تحدید قبل از وقت نہیں کی جاسکتی۔ سرور جہاں آبادی ایک باحوصلہ، خوبرو، تن و مند نوجوان تھے تو ان کی آرزو نہیں اور امیدیں، ان کے مزاج کالا ابائی ہیں، ان کی طبیعت کا خبراء یہ کہتا تھا کہ منزل آخر ہنوز دور است، لیکن جب ان پر پہ بہ پہ حادثات اور مصائب و مشکلات آئے، بیوی داش مفارقت دے گئی۔ اکتوبر تا بیٹھا حیات جاوداں کی آنغوٹ میں جاسویا اور سرور اس عالم رنگ و بو میں تباہہ گئے، تو ان کی ساتھی صرف شراب رہ گئی۔ کثرت شراب نوشی نے اس جواں سال شاعر کو برناٹی میں پیر کر دیا۔

۲۹ نومبر ۱۹۱۰ء کوالہ آباد جانے کے لیے گھر سے نکلے لیکن پہلی بھیت پہنچتے ہی بیمار ہو گئے۔ کثرت شراب نوشی سے ذات الجب پہلے ہی علاج کی حدود سے گزر چکا تھا درد سینہ اور بخار نے بھی آد بایا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ پیامِ اجل آگیا۔ چند دن بیمار رہ کر ۳ دسمبر ۱۹۱۰ء کو نہ صرف اپنے اعزہ بلکہ ایک عالم کو سو گوار چھوڑ کر اپنی بیوی اور بیٹی کی فرقت کے غم سبب ہوئے انہی کے پاس چلے گئے۔

۱. خنکات جاوید ج ۲ ص ۱۸۲

۲. سرور کا انتقال اردو ادب کے لیے ایک سانچی تھا، اردو کے منتدر ر رسائل و جرائد میں ان کی وفات کی نیبر ایک سانچی کی حیثیت سے ذکر کی گئی۔ موانا نفضل الحسن حضرت موبانی نے ایک مفصل مضمون لکھا۔ (اردو معلیٰ دسمبر ۱۹۱۰ء (ص ۱۲)

سرور کی بے وقت موت سے اردو دنیا میں سوگواری چھا گئی۔ اخبارات رسائل میں تعزیتی مضمایں شائع ہوئے۔ شعراء منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ مرثیہ لکھے، نوحہ لکھے، قطعات تاریخ وفات لکھے۔ سرور کی وفات پر جن ادباء و شاعرانے نے نظم و نثر میں ان کی وفات پر اپنے رنج و غم کا اظہار کیا۔ ان میں مولانا فضل الحسن حضرت موبانی، شوکت بلگرامی، پنڈت دیازائی نگم، سید محمد فاروق شاہ پوری، محشر لکھنؤی، مہاراج بہادر برق دبلوی، تلوک چند محروم وغیرہ اہم ہیں۔ شوکت بلگرامی کا قطعہ تاریخ وفات یہ ہے۔

آں کہ در غالب جہاں آباد	مشل روح رواں اقامت کرد
رخت بر بست از سرائے وجود	چوں برید عدم بشارت کرد
آہ در گاہبائے خوش گفتار	زود از ما و داع کرد
سال بحیرت چوں خواستہ حضرت	
گفت شوکت، سرور رحلت کرد	

۱۳۲۸ھ

درگاہبائے سرور جہاں آبادی کو مہلت عمر بہت کم بلی۔ صرف ۳۹ سال کی عمر میں وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ لیکن اس قلیل مدت میں انہوں نے شہرت کے بام عروج کو چھو لیا۔ وہ اپنی زندگی میں ہی ایک مشہور و معروف شخصیت بن چکے تھے۔ اور دنیائے اردو کے شناور ان سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کرنے لگے تھے۔ سرور کی ناوقت موت نے ان توقعات پر بھی ناامیدی کا پانی پھیر دیا۔

سرور کی شخصیت

سرور بہت قد آور یا تنومند نہیں تھے بلکہ چھوٹے قد کے ایک منحصرے سے آدمی تھے، جسے نحیف و نثار تھا۔ ان کا حلیہ بیان کرتے ہوئے جگر بریلوی نے یاد رفتگاں میں لکھا ہے:

”آپ (سرور) کا قد چھوٹا اور جسے نحیف، چہرہ کشادہ، پیشانی اوپنجی، ناک بڑی، بھویں اور موچھیں گھنی گھنی، چہرے کے خدوخال صاف اور نمایاں تھے۔ ہر بات میں سادگی و صفائی پسند تھے۔ لباس میں شیر و انی زیادہ پہننے تھے، یا کھلے گئے کاکوٹ۔“^۱

سرور خوش کلام، خوش وضع، خوش گفتار اور باکردار شخصیت کے مالک تھے۔ قدیم تہذیب کے معیار شرافت کے نمونے تھے۔ انہوں نے جس تہذیبی اقدار میں آنکھ کھوئی اگرچہ اس وقت اس کی بند شیں ٹوٹ رہی تھیں لیکن انہوں نے اپنے آپ کو انہی میں ڈھال لیا تھا۔ زبان اردو ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ شیر و انی لباس، وضعداری اور شرافت ان کی شخصیت کی زینت تھی۔

سرور اپنے آپ کو مردانہ حسن کا ایک نمونہ سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ وہ تنقیقی طور پر بہت حسین اور خوب رو ہیں۔ اس کا اظہار انہوں نے متعدد اشعار میں کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

کبھی جو آئینہ میں یکاکی نظر پڑی مجھ کو اپنی صورت رہا ہوں پھر وہ میں محیرت کہ پیاری شکل یہ آئی کہاں سے

اس مرقع میں صورتِ تصویر ہم بھی نقش ناز کیتائی
چوڑا سینہ بھر بھرے بازو اے دریغا وہ شاہ برنائی
لب میں اعجاز آنکھوں میں جادو قد میں شوخی تھی خد میں زیبائی
ہم نئے تھے نئی ہماری وضع نئی رج دھج، نئی تھی رعنائی
بن کے یوسف جو جاتے تھے بازار جمع ہو جاتے تھے تماشائی
دیکھتے تھے کبھی جو آئینہ پھر لوں رہتے تھے ہم تماشائی
وہ رنگ و روپ وہ شوخی وہ خدو خال کہاں

کہ اب دور جوانی، سن و سال کہاں

سرورِ حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کا نمونہ تھے۔ اپنے اصولوں کے پکے اور
و ضعدار تھے۔ ان کی ابلیس کا انتقال عالمِ شباب میں ہو گیا تھا۔ گھروالوں نے لاکھ سرما را
لیکن انکھوں نے دوسری شادی نہیں کی، ان پر پے در پے غم ایام کے صدمے آئے۔
یوئی کی مغافرت، نو عمر بیٹھ کی ناوقت موت، اور ان صدموں نے ان کو نیم جاں کر دیا
تھا۔ ان کی شاعری میں جود دو غم اور رنج و محن کی عکاسی ہے جو قتوطیت کی جھلک
دکھائی دیتی ہے اس کی وجہ ان کے اوپر گزرنے والے یہی حادثات ہیں۔ لیکن ان
حادثات نے ان کی ذاتی زندگی میں شراب کے علاوہ کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔ ان کا جو
انداز پہلے تھا، ہی بعد میں بھی۔ ان کی شگفتہ مزاجی، با وضع قہقہہ، خوش طبعی اور خوش
مزاجی میں فرق واقع نہیں ہوا تھا۔ اعجاز لکھنؤی ان کے آخری ایام سے متعلق جب وہ
کانپور میں مقیم تھے کے بارے میں لکھتے ہیں:

”... مجلس احباب میں ان کے انداز تقریر اور بشرے سے خوش
طبعی متر شج بوتی تھی۔ ان کے قہقہوں کی آواز دلوں کو گد گداتی تھی،
درگاہہائے ایک خوش باش اور اور وضعدار انسان تھے۔“ ۱

درگاہبائے کو اپنے وطن اور اعزہ سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے جب تک ممکن ہوا وطن سے باہر جانا گوارانہ کیا اور جب ناگزیر ہو گیا تب بد رجہ مجبوری وطن سے باہر گئے۔ درگاہبائے کے اہل خانہ بھی ان سے غایت درجہ محبت رکھتے تھے۔ اپنے بھائی بہنوں کی محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ہم کو تو اب بھی خوب رلاتا ہے لحد میں
اخلاص بھائیوں کا وہ بہنوں کا پیار حیف

ان سب قربانیوں اور محبتوں نے یقیناً ان کے غم زن و فرزند کے درد کا درمان کیا ہو گا۔
سرور ذہنی طور پر اپنے والد کی تربیت کے زیر اثر تصوف کی طرف مائل
تھے۔ مذہب آریہ سماجی تھے لیکن تعصب و تنگ نظری نام کونہ تھی۔ انھیں جس طرح ہر
مذہب و ملت کے افراد سے محبت اور عزت ملی تھی اس کے وہ اپنے بر تاؤ کی بنابر حق دار
تھے، وہ ہر گروہ کی شخصیت کا احترام کیا کرتے تھے۔ ان میں فرقہ واریت نام کونہ تھی۔
اپنے عہد کی منتخب شخصیات سے ان کے روابط تھے۔ اور وہ لوگ بھی ان کا احترام کیا
کرتے تھے۔ مولانا حالی ان سے عمر بہت بڑے تھے لیکن ان کی شاعری کے اتنے مذاح
تھے کہ محض ان سے ملنے جہاں آباد گئے، اور ان کی نظمیں سنیں۔

ان کے احباب اور قدردانوں میں مولانا حضرت مولہانی، علامہ اقبال، ریاض
خیر آبادی، محشر لکھنؤی، چکست، بر ق دہلوی، شیخ عبدالقدار وغیرہ چند نام ہیں۔ ۲

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سرور اپنے عہد کی ایک عہد آفریں شخصیت کے مالک
تھے، قدیم و ضعداری کے نمونے تھے، شکست و ریخت سے دو چار عہد و سلطی کے گنگا جمنی
معاشرہ کی اقدار سے ان کا خمیر بنا تھا۔ ان کی وفات دنیاۓ اردو کے لیے ایک الیہ تھی۔

تو نہیں دنیا میں لیکن نقش تیرا دل میں ہے
شمعر و شن یعنی اس اجزی ہوئی محفل میں ہے

۱. ثقانۃ جاوید، جلد ۳ ص ۲۸۱

۲. سرور جہاں آبادی: حیات و شاعری ص ۱۱۶

قصائیف

سرور جہاں آبادی قادر اکلام شاعر تھے۔ ان کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں، ان کی نثری تصنیفات کا بھی مذکور ہوتا ہے۔ تاہم اب تک ان کا مکمل دیوان کہیں شائع نہیں ہوا۔ اور نہ بھی کہیں دستیاب ہے۔

ان کے جو شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں وہ بالعموم مختلف موضوعات پر مستقل کتابیں ہیں، مجموعہ کلام نہیں۔ تاہم ۱۸۹۷ء کے بعد کام بالعموم رسائل و جرائد میں شائع ہو چکا ہے۔ البتہ ۱۸۹۷ء سے قبل کا بیشتر کلام یا تو ضائع ہو گیا یا پھر ابھی کسی کتب خانہ کے نہایت خانے میں منتظر اشاعت ہے۔

ان کی جو منظوم کتابیں شائع ہوئیں۔ ان میں درج ذیل کی بابت معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔

جام سرور

سرور کا پہلا مجموعہ ہے۔ یہ نظموں پر مشتمل ہے اور سرور نے خود ترتیب

۱۔ سرور کی تصنیفات بالعموم کیا ہے بلکہ نایاب ہیں۔ ذاکر حکم چند نیر نے بڑی تلاش، تمجیس کے بعد ان کی تصنیفات کا سراغ لگایا۔ ان میں سے بیشتر میر نہیں میں موجود ہیں۔ میں نے ان کی تصنیفات کا تعارف حکم چند نیر کے حوالے سے درج کیا ہے۔ صفحات ۱۳۶ تا ۱۴۸

دیا تھا۔ یہ مجموعہ الہ آباد سے شائع ہوا۔ مصنف کو اس کی اشاعت کا بڑا اشتیاق تھا اور اس کے پروف پڑھنے کے لیے الہ آباد جا رہے تھے۔ اثنائے سفر یمار ہوئے اور یہی مر نہ الموت ثابت ہوا۔ اور یہ مجموعہ بھی مصنف کی حیات میں اشاعت پذیر نہ ہو۔ کابلکہ ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ اس کا سرور ق اس طرح تھا:

جامع سرور معروف بے یاد گار سرور
من تصنیف شاعر شیوا بیان مشہور نزد یک و دو ر
مشی درگاہبائے المخلص بسرور جہاں آبادی مر حوم و مغفور
باخذ حق تصنیف چنگ کوڑی مترا، پرنٹر پبلشر
انڈین پر لیس الہ آباد میں شائع ہوا

قیمت مجلد دورو پیہ آٹھ آنے
قیمت غیر مجلد دورو پیہ

اس دیوان میں دس صفحات کا دیباچہ اور چار صفحات میں نوبت رائے منظر لکھنؤی کے قلم سے احوال مصنف ہیں، اس میں اسی (۸۰) نظمیں اور چودہ رباعیاں ہیں۔ تعداد صفحات ۱۹۱ ہے۔

خُجناہ سرور

خُجناہ سرور، سرور کی نظمیں کا دوسرا مجموعہ ہے۔ یہ مارچ ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں صرف وہ نظمیں شامل اشاعت کی گئی ہیں جو رسالہ "زمانہ" کانپور میں شائع ہوئی۔ مشی دیا نرائن نگم ایدیٹر زمانہ، کی زیر نگرانی یہ مجموعہ مرتب ہوا۔ اس میں ۳۸ نظمیں شامل ہیں۔ حضرت ثاقب لکھنؤی مدیر قندباری نے ۹ صفحات کی تمهید لکھی ہے اور سرور ق کی عبارت اس طرح ہے:

ان من البيان لحراء
خُجناہ سرور یعنی

سر آمد شعرائے حال مشی درگا سہائے سرور جہاں آبادی کی بہترین نظموں کا مجموعہ
مطبوعہ زمانہ پر لیس کاپور

۴۰۰
۱۵
جس

حمدکدہ سرور

قاضی محمد غوث فضاحیدر آبادی نے بڑی تلاش و جستجو اور تحقیق و تمحیص
کے بعد کلام سرور کا ایک مجموعہ مرتب کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگرچہ یہ مجموعہ بھی
ان کے کلام کو حاوی نہیں ہے تاہم ان کو جتنی نظمیں دستیاب ہو سکیں وہ انہوں نے
حمدکدہ سرور میں شائع کر دیں۔ اس مجموعہ کے سرور ق پر یہ عبارت ہے:
حمدکدہ سرور یعنی

مشی درگا سہائے جہاں آبادی کا مکمل بہترین کلام جس میں تقریباً جملہ مضامین نظم اور
ایک نایاب مضمون نثر ہے۔

مرتب قاضی محمد غوث عغفی عنہ حیدر آبادی متوضن ضلع محبوب نگر، جس کو
جناب سید عبدال قادر صاحب تاجر کتب نے اپنے اعظم اسنیم پر لیں میں طبع کر کے
شائع کیا۔

اس مجموعہ پر مولوی سید سجاد صاحب ایم۔ اے۔ ایم۔ آر۔ ای۔ ایس
(لندن) پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن نے تعارف لکھا ہے اور جوش ملیح
آبادی مرحوم نے تمہید لکھی ہے۔

یہ سرور کے مجموعہ کلام تھے۔ سرور نے متعدد نشری و منظوم کتابیں اور
رسالے بھی تالیف کیے جو تقریباً سب ان کی زندگی میں ہی زیور طبع سے آراستہ ہوئے
تھے۔ ذیل میں ان کا مختصر تعارف کرایا جا رہا ہے۔

۱۔ خون نا حق

پنڈت لیکھرام آریہ مسافر کو ایک جنوں مسلمان نے لا بور میں قتل کر دیا تھا، ان کی شہادت کے ساتھ سے سرور بہت متاثر ہوئے۔ اور سرور نے اپنی متعدد نظمیں ان کی یاد میں کہیں۔ خون نا حق ۲۸ صفحات کا ایک کتابچہ ہے۔ یہ دراصل ان نظموں کا مجموعہ ہے جو انہوں نے مسافر کی یاد میں کہی تھیں۔ یہ رسالہ و دیادر پن پر لیں میرٹھ سے شائع ہوا۔ سن اشاعت ۱۸۹۷ء ہے۔ اس کے سرور ق پر یہ عبارت درج ہے:

لختے برد از دل گزرد ہر کہ زپشم
من قاش فروش دل صد پارہ خیشم

خون نا حق یعنی کلام دربارہ پنڈت لیکھرام صاحب آریہ مسافر جناب منتشر گاہبائے صاحب و حشت جہاں آبادی شاگرد رشید حضرت بلغ الملک جناب سید محمد مرتضی بیان ویزدانی رئیس میرٹھ مدظلہ۔ جس کو خاسار را چند رویش ممبر آریہ سماج میرٹھ نے منتشر بنارسی داس ضبط قائم مقام منصرم مطبع کے اہتمام سے اپنے مطبع و دیادر پن میرٹھ میں طبع کرایا۔

اس مجموعہ میں ۶ نظمیں اور دس رباعیاں ہیں۔ بنارسی داس ضبط کی تقریظ اور قطعہ تاریخ بھی ہے۔

۲۔ نیرنگ قلق

پنڈت لیکھرام آریہ مسافر کی یاد میں انہوں نے جو نظمیں لکھی تھیں وہ خون نا حق میں شائع ہو گئی تھیں لیکن اس کے بعد بعض اور نظمیں اور رباعیاں بھی نظم

۱۔ پنڈت لیکھرام آریہ مسافر کے بارے میں تفصیلات نہیں مل سکیں، تربیتی پرساد میرٹھی نے اپنے والد جنگ میرٹھی کے مجموعہ کلام کے مقدمے میں پنڈت لیکھرام کے ساتھ قتل اور ان پر سرور کی نظموں کا تذکرہ کیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ سرور نے ان نظموں پر میر بیان کے علاوہ جنگ میرٹھی سے بھی اصلاح ہی۔ ملاحظہ ہو معرکہ جنگ ص ۸

ہو گئیں۔ اس لیے ان کو علیحدہ سے دوبارہ شائع کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ نیرنگ قلق اس دوسرے مجموعہ کا نام ہے جو دراصل خون نا حق کا تتمہ ہے۔ اس کے سرورق پر درج ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے:

لختے برد از دل گزرد ہر کے زپیشم
من قاش فروش دل صد پارہ خیشم

نیرنگ قلق یعنی مسدس دربارہ شہادت پندت لیکھرام آریہ مسافر
مصنفہ مشی درگا سہائے جناب سرور و حشت جہاں آبادی، تلمیذ
حضرت یزادی میرٹھی و مصنف خون نا حق، نشر ماتم، دشنہ قلق، ہنگامہ محشر

۳۔ دشنہ قلق

یہ رسالہ ۵۷ پندوں کی ایک طویل مسدس ہے۔ اس رسالے کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہے:

دشنہ قلق یعنی وہ مسدس جس میں ایک غم نصیب یوہ کی حرمت ناک رام کہانی نہایت در دانگیز اور رقت خیز الفاظ میں بیان کی گئی ہے اور جو ۱۸۹۸ء میں وقتاً فوقاً اخبار رئیس ہند میرٹھ میں شائع ہو چکا ہے۔

مصنفہ مشی درگا سہائے صاحب سرور و حشت جہاں آبادی، تلمیذ
حضرت یزادی مصنف خون نا حق، نیرنگ قلق، ہنگامہ محشر وصال وغیرہ۔

۴۔ نشر ماتم

۸۱ بندوں پر مشتمل یہ مختصر کتابچہ ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت درج ذیل ہے:

نشر ماتم یعنی وہ مسدس جس میں ایک غم نصیب یوہ کی حرمت ناک رام کہانی نہایت درد انگیز اور رقت خیز الفاظ میں بیان کی گئی ہے (بعینہ عبارت جود شنہ قلق پر مندرج ہے)

۵۔ نالہ خونچکاں

یہ دراصل دو طویل نظمیں ہیں۔ نالہ خونچکاں اور مشنوی سوز فغال۔ نالہ خونچکاں طویل بحر میں ۳۲ اشعار پر مشتمل ہے اور مشنوی سوز فغال چھوٹی بحر میں ۱۰۰ اشعار کی مشنوی ہے۔ یہ کتابچہ ۱۸۹۸ء میں ودیادرپن پر لیں میر ثحہ سے شائع ہوا۔

۶۔ شیوں

یہ ایک منظومہ ڈرامہ ہے۔ اس میں ۳۲ صفحات ہیں۔ سرور ق پر یہ عبارت لکھی ہے:

فغال میں، آہ میں، فریاد میں، شیوں میں، نالے میں
ساؤں درد دل طاقت اگر ہو سخنے والے میں

شیوں یعنی وہ دلگداز ڈرامہ جس میں ایک غم نصیب یوہ کے حرمت ناک مصائب، شادی بیوگاں کے عدم اجراء کے نقصانات اور حضرات پولیس کے ہتھکنڈے نہایت درد انگیز اور رقت خیز الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں۔

مصنفہ ملشی درگاہی سرور و حشت جہاں آبادی تلمیذ حضرت یزدانی و مصنف خون نا حق، دشنہ قلق، نشر ماتم، نالہ خونچکاں، ہنگامہ محشر وغیرہ۔ سرور کی ان منظوم تصنیفات کے علاوہ کچھ نشری تصنیفات کا بھی مذکورہ ملتا ہے لیکن جس طرح سرور کی منظوم تصنیفات کے مجموعے دستیاب ہو گئے۔ ان کی نشری تصنیفات بالکل ہی نادر الوجود ہیں۔ صرف دو کتابوں کے نام دستیاب ہو سکے۔

۱۔ ہنگامہ محشر

یہ ایک ناول ہے بعض کتابوں میں اس کا اشتہار شائع ہوا۔

۲۔ وصال

یہ بھی ایک ناول ہے اور اس کے اشتہار سے اس کے بارے میں اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رومانی انداز کا ناول ہو گا۔ اشتہار میں قیمت ۸ آنے درج ہے۔

فن

سرور کی شاعری

سرور کی شاعرانہ حیثیت مسلم تھی۔ تمام اساتذہ فن اور نقادوں نے سرور کی تخلیقیت، ندرت اور کمال کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے نئے موضوعات اور نئے اسالیب اختیار کیے۔ وہ اردو کے اوپرین نظم گو نمائندہ شاعروں میں ہیں۔ نظیر اور حالی کے بعد تیسرا عظیم نظم گو شاعر ہیں جنہوں نے درمان نظم کو نئے نئے عنوانات سے مالا مال کیا، اور نظموں کے ذریعہ ایسے خیالات کا اظہار کیا، جونہ صرف نادر تھے بلکہ اردو زبان بھی ان سے آشنا نہیں تھی۔

سرور کی شاعری ایک بیانیہ شاعری ہے اور بیان رومان زدگی یا ہجر زدگی کا نہیں بلکہ آفاق و ملکوت کا بیان، فطرت کی عکاسی، کائنات کی صنای کا بیان ہے، سرور کی یہ ندرت ہے کہ ایسے موقع پر جب شعر کی کشتی بحرِ عشق کی موجودوں پر سوار تھی اور محبوبہ تھیل اس کی پتوار، انہوں نے شاعری کے نئے آفاق تلاش کیے، اردو شاعری کو نئی جہات سے آشنا کیا۔

سرور کی شاعری میں تخلیقیت بنیادی و صفت ہے وہ کلائیک سے بہت کم لیتے ہیں، بیشتر خیالات ان کے اپنے ذہن کی انج اور اختراع ہیں۔ ان کی شاعری کسی غزل گو شاعر کی تقلید نہیں ہے بلکہ وہ خود مجہد ہیں اور انہوں نے نظم کی راہ اپنے اجتہاد سے تخلیق کی ہے۔

سرور کا تصور فنِ محبوب کی موبہوم کمر کا پابند نہیں، اور وہ فرضی اور تخلیقی

شاعری کرتے بھی نہیں، سرور کے تصور فن کی بنیادی صفت واقعیت، سادگی اور حقیقت نگاری ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ محض خشک اور بے کیف شاعری کرتے ہیں، ان کی شاعری تخلیل کی جگہ رنگ آمیزی ہے، لیکن اس کا تخلیل کا دامان بھی حقیقت سے وابستہ ہے اور اس طرح حقیقت و تخلیل کا ایک ایسا حسین امتزاج اور سادگی اور پرکاری کی ایک ایسی دلکش تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے جس کے سامنے مصنوعی عشق اور فرضی تخلیل کی رنگ آمیزی بالکل بے جان اور کشش سے عاری نظر آتی ہے۔

ایک شاعر کی خوبی یہ نہیں ہے کہ اس کا کلام معانی کے اعتبار سے بلند ہو اور اظہار بیان کی خوبی سے مالا مال ہو۔ بلکہ ضروری ہے کہ الفاظ و تشبیبات بھی منتخب ہوں اور حقیقت تو یہ ہے کہ شعر کی ابتداء الفاظ سے ہوتی ہے۔ اگر الفاظ کا استعمال اور بندش درست نہیں ہے تو پھر شعر کی معنی آفرینی اس کو کوئی مقام کم از کم شعری دنیا میں نہیں دلا سکتی۔

سرور کے یہاں الفاظ کا وہ شکوه نہیں ہے جو جوش کے کلام کی خوبی ہے۔ سرور الفاظ سادہ استعمال کرتے ہیں اور تراکیب ایسی استعمال کرتے ہیں جو روزمرہ کی زندگی سے متعلق ہوں بلکہ رام بابو سکینہ کے الفاظ میں سرور کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ہندی کے زم و شیریں الفاظ کو اپنی شاعری میں چست کرتے ہیں اور ایسی خوبی سے کرتے ہیں کہ شعر کا حسن دو بالا ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر سرور کی وہ نظمیں جو ہندو شخصیات یا ہندو مذہب سے متعلق ہیں ان میں ہندی الفاظ کے استعمال سے ایسا حسن پیدا ہو گیا ہے جس نے ان نظموں کو لافائی کر دیا ہے اور ان اشعار کی قدر و منزالت بڑھادی ہے۔

سرور نے ہندی کے علاوہ اردو میں عربی و فارسی کے الفاظ و تراکیب کو نہایت خوب صورتی اور چا بکدستی کے ساتھ کیا ہے۔ الفاظ کے ہیرے تراشنے میں سرور کسی سنگ تراش کی طرح ایک ایک نوک و پلک کو بڑی باریکی اور کمال صنائی سے تراشتے

ہیں۔

شاعری کا ایک اہم وصف رمزیت ہوتی ہے۔ سرور کے کلام میں رمزیت، تشبیبات، استعارے اور کنائے نہایت قرینے اور سلیقے سے استعمال کیے گئے ہیں۔ سرور کے کلام میں نئی تشبیبات اور اشاریت کی ایسی پچھی کاری ہے جو ان کے کلام کے حسن کو دو بالا کرتی ہے۔ سرور نے رمزیت میں روایات سے انحراف کیا ہے اور یہ انحراف سرور کی مجبوری بھی ہے چونکہ ماضی میں اس طرح کی نظم گولی کا رواج نہیں تھا۔ یہ طرح سرور کی ڈالی ہوئی ہے، اور اس طرح کے لیے استعارات اور تشبیبات بھی لامحالہ اس کو خود اختراع کرنی پڑی اور اس طرح اردو شاعری میں نظم کے لیے رمزیت اور استعارے کی لفظیات سرور نے فراہم کی۔

سرور کی شاعری نہ مکمل طور پر قدیم و رائے سے بغاوت ہے اور نہ بھی کلی طور پر اختراقی یا جدید ہے بلکہ اس کی شاعری قدیم و جدید کا حسین سنگم ہے، کلاسیکیت اور رومانتیک امتزاج ہے۔ انھوں نے ادو شاعری سے کسی قدر بغاوت کی ہے لیکن کلاسیکی ادب کو عبد جدید کے تقاضوں کے مطابق نئے اسلوب میں ڈھان کر پیش کیا ہے۔ سرور کی شاعری کلاسیکی شاعری کا جدید ایڈیشن کبھی جا سکتی ہے۔

معاصرین کا اعتراف

سرور کی یہ ندرت اور افاقت اردو دنیا میں منفرد آواز تھی، جس نے اول مرحلے میں شعر شناسوں کی توجہات کو اپنی طرف منعطف کر لیا۔ حالی جیسا عظیم شاعر و مصنف سرور کا کلام پڑھ کر اتنا متاثر ہوا کہ اس نے جہاں آباد کا سفر کر ڈالا لیکن یہ اول وہله تھا، اور یہ مولانا حالی کا مقام تھا جو اس آواز کی انفرادیت کو شناخت کر سکے۔ بعد میں نمایاں نقادان فن اور ادب اور شعر اనے سرور کی عظمت کا احساس کیا اور ان کے کلام کی بلندی کا اعتراف کیا۔

مولانا حسرت موبانی لکھتے ہیں:

”حصہ نظم میں مشی درگاہبائے سرور جہاں آبادی کے جادو نگار قلم
نے بیر بہولی کی تصویر کشی میں حد درجہ پسندیدہ الفاظ اور نئی نزالی
تشبیہوں سے کام لیا ہے۔“^۱

رسالہ معیار کے مدیر محشر لکھنؤی نے لکھا ہے:

”شماع نجمن پر سرور جہاں آبادی کی نظم بے حد دلکش اور انتہا کی با اثر ہے۔
سرور جہاں آبادی سے اور مجھ سے شناسائی نہیں ان کی خوش گوئی اور
خوش فکری سے بہت عرصہ ہوا میں ان کا مشتاق ہوں۔ اکثر رسالوں
میں ان کا کلام دیکھا ہے، اور شاعروں سے غائبانہ تعریف سنی ہے۔“^۲

”زبان، دبلی کے ایڈیٹر مائل دبلوئی لکھتے ہیں:

”حضرت سرور جہاں آبادی کے نالہائے دلخراش بہ تحت عنوان
حضرت دیدار یار بار بار پڑھنے کے قابل ہیں۔ سرور کا کلام درد و تاثیر
سے مملو ہوتا ہے اور ان کا رنگ شاعری اتنا اچھوتا ہے کہ ان کے
معاصرین میں کسی ایک کو بھی نصیب نہیں۔“^۳

شرق (گور کھپور) کے مدیر لکھتے ہیں:

”اوائے شرم پر جو کچھ سرور نے لکھا ہے، وہ خاص ان کا حصہ ہے۔
جدید دور کے شاعروں میں اور جدید اردو شاعری کی دنیا میں سرور کا
سلکہ چلے گا، لوگ نظر میں بھی یہ خوبصورت تصویر نہیں کھینچ سکتے تمام
او صاف شاعرانہ کے ساتھ جناب سرور نے صحیح تصویر اوائے شرم
کی کھینچ دی ہے۔“^۴

^۱ اردوئے معلیٰ بابت ماہ سپتمبر ۱۹۱۰ء ص ۸ (بحوالہ سرور جہاں آبادی)

^۲ معیار لکھنؤ بابت اپریل ۱۹۵۶ء

^۳ ”زبان، دبلی فروری ۱۹۱۱ء

^۴ سرور جہاں آبادی حیات و شاعری بحوالہ اویب الہ آباد، جون ۱۹۱۰ء

نیاز فتحپوری نے لکھا ہے:

”سرور ان شعرا میں سے تھے جنہوں نے موجودہ دور کی شاعری کی طرح ڈالنے میں حصہ لیا تھا۔ اور جن کی خدمات کو اردو زبان کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ سرور کے کلام کی مستی ایک ایسی چیز ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گی۔“^۱

پروفیسر احتشام حسین لکھتے ہیں:

”درگاہی سرور جہاں آبادی اردو شاعری کے ان معماروں میں سے ہیں جن کی روح ہندوستانی، مزاج شاعرانہ، ذوق جمالیاتی اور نقطہ نظر و سعی تھا۔ یہ اردو ادب کی بد قسمتی ہے کہ ان کی قدر و قیمت معین کرنے کی کوشش اب تک نہیں کی گئی۔“^۲

ڈاکٹر حکم چند نیر لکھتے ہیں:

”سرور نے اپنے کلام میں زندگی کا پورا سوز و گداز اور کیف و سرور سمو دیا ہے اس میں ان کی روح اپنی تمام تر رعنائی اور خلوص کے ساتھ متكلّم ہے۔ فکر و خیال کی گہرائی و وسعت، تاثیر کی آنچ، جذبے کی شدت، احساس کی تازہ کاری، واردات قلب کی سرمستی اور جذبات کے کیف و نشاط کی وجہ سے یہ کلام صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے خوش رنگ اور خوش آہنگ ہے۔“^۳

۱۔ سرور جہاں آبادی حیات و شاعری ص ۳۳۶

۲۔ سرور جہاں آبادی حیات و شاعری ص ۳۳۶

۳۔ سرور جہاں آبادی حیات و شاعری ص ۳۲۲

باب سوم

سرور کی شاعری

سرور کا تعلق ایک کائستھ گھرانے سے تھا، کائستھوں میں فارسی اور اردو کی گنگا جمنی بہار تھی، متعدد کائستھ شعر ادا بانے شہرت لازوال حاصل کی۔ فارسی شعرو ادب میں ان کا نام لا فانی ہو گیا۔ اس طرح اردو شاعری میں یعنی متعدد کائستھ شاعر اور ادیب ادب عالیہ کے حصہ بنے جن کے تذکرہ کے بغیر اردو ادب کی کوئی بھی تاریخ مکمل نہیں ہو گی۔

انہی گروں قدر سرمایہ روزگار ہستیوں میں پنڈت درگا سہائے سرور جہاں آبادی کا نام بھی شامل ہے، سرور کا شعرو و سخن کا ذوق اور اردو فارسی میں مہارت و راثت میں ملی تھی۔ اس کے آبا و اجداد، ملی دربار میں اچھے عہدوں پر فائز رہے۔ جب ان کو جہاں آباد میں جا گیر ملی تو اگرچہ جہاں آباد منتقل ہوئے لیکن شعرو ادب کی میراث ساتھ لائے۔ سرور کے والد منشی پیارے لال، شعرو ادب کا شستہ ذوق رکھتے تھے، ان کے گھر پر ماہانہ محفل مشاعرہ منعقد ہوتی تھی جس میں بسا اوقات میر ٹھہ اور لکھنؤ کے شعراء بھی مدعاویے کیے جاتے تھے۔

اس ماحول میں سرور شعرو شاعری کی خداداد صلاحیتیں لے کر پیدا ہوئے اور آسمان شعرو و سخن پر آفتاب و مہتاب بن کر ابھرے۔

سرور بنیادی طور پر نظم کے شاعر تھے، مگر اصناف سخن میں ان کا کلام زیادہ نہیں ہے۔ ان کی نظمیہ شاعری میں بھی سب سے اہم ان کی قومی شاعری ہے۔

قومی شاعری

جس زمانے میں سرور نے شعور کی آنکھیں کھولی تھیں۔ اس وقت ساری دنیا میں وطن کی ایک نئی تحریکی جاری تھی۔ حب الوطنی کے مفہوم متعین کیے جا رہے تھے۔ ہندوستان بھی اس سے مستثنی نہیں تھا، ہندوستان کے طول و عرض میں یعنی فطری شاعری کے پہلو بہ پہلو قومی اور وطنی شاعری کے لغے گونج رہے تھے۔

قومی شاعری کے دو محركات تھے ایک وطن سے محبت دوسرے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اہل وطن میں سامراجی قوتوں کے ملک کو اپنی گرفت میں لینے کا احساس شدید ہو گیا، اور اہل وطن نے اپنی کاوش کے مطابق وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد کا آغاز کیا، انہی میں شاعروں نے اپنے جذبات کا اظہار نظم کے پیرا یہ میں کیا۔

سرور نے دونوں محركات کے تحت وطنی شاعری کی۔ وطن سے محبت کے فطری جذبہ کے تحت بھی انہوں نے نظمیں لکھیں۔ اور سامراجی قوتوں کے پنجہ استبداد میں گرفتار وطن کی کک کو بھی انہوں نے اپنا موضوع سخن بنایا۔

وطن کی محبت کو سرور تمام اچھائیوں اور اعلیٰ انسانی اقدار کا معیار مانتے ہیں۔ ان کی نظر میں انسانی زندگی کا اعلیٰ وارفع جذبہ اور سب سے برتر مقصد زندگی وطن کی عظمتوں کا احساس ہے، سرور کی نظر میں مذاہب کی حیثیت ثانوی تھی۔ وہ وطن کو سب سے بڑا مقصد مانتے تھے۔ وطن کی عظمتوں کے گن گانا ان کی نظر میں سب سے بڑا ایمان تھا۔ ایک نظم میں وطن کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عروس حب وطن میرے بر میں
آنکھیں تری تلاش میں ہیں محو جنتجو

وہ گھر ہو بے چراغ جہاں تیری خونہ ہو
 وہ دل ہو داغ جس میں نہ ہو تیری آرزو
 ناقوس اور اذال میں نہیں قید کفر و دیس
 اس کے لیے کہ جس کا پرستش کدھ ہے تو
 گنگا نہائے شیخ اگر تیرا اذن ہو
 تیرا اشارہ ہو تو برہمن کرے وضو
 تیرا طریق عشق بھی ایمان ہے مرا
 تیرے فدائیوں میں ہوں اے شوخ خوبرو

سرور کے تصور وطن کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ وہ ایک طرف وطن کی عظمتوں کے
 گنگاتے ہیں تو دوسری طرف ان کی نظر میں وطن کا تصور صرف عظمتوں کا اظہار
 نہیں ہے بلکہ وہ وطن کو ایک محبوب کی شکل میں مجسم کر کے دیکھتے ہیں اور پھر اس کے
 سرپا اور اس کے حسن کی رنگینی و رعنائی کا بیان اس طرح کرتے ہیں جیسے محبوب کے
 سرپا کا کیا جاتا ہے۔ ایک نظم میں لکھتے ہیں:

آئے نگار تجھ کو گلے سے لگاؤں میں
 آ مجھ سے ہم کنار ہو اے شوخ خوبرو
 تیری شراب عشق کا آنکھوں میں ہو سرور
 خلوت میں ہو نہ ذکر مے و شیشه و سبو
 لپٹوں میں بے خودی میں جو تجھ سے شب وصال
 باہیں تیرے گلے میں ہو لب پہ یہ گفتگو
 ٹوٹیں وہ پاؤں جن کو نہ تیری تلاش ہو
 پھولے وہ آنکھ جس کو نہ ہو تیری جستجو

سرور کے عہد میں وطن کا موجودہ تصور پوری طرح واضح نہیں ہو پایا تھا۔ اس لیے وہ
 کبھی وطن کو مقدس ماں کی شکل میں دیکھتے ہیں اور کبھی محبوبہ کی شکل میں، کبھی اس کی

عظمت کا اظہار دیومالائی انداز میں کرتے ہیں کبھی یہاں کی فضا، یہاں کے موسم اور یہاں کی آب و بہوں کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس نظم میں انھوں نے مادر وطن کے ماحول اور اس میں فطرت کی بو قلمونی کا بڑے خوبصورت پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

واہ یہ جاں بخش پانی یہ ہوائے خوش گوار
یہ ترا شاداب و شیریں میوہ ہائے خوش گوار
ٹھنڈی عطر میں ڈوبی ہوئی باد جنوب
بزر کھیتوں کی صدائیں اور یہ میدانوں کی دوب
ظل شفقت ہو ترا اے مادر مشق دراز
خاک پر کیا کیا تیری تیرے مکینوں کو بے ناز
ہاں یہ تیری چاندنی راتوں کا منظر خوشنما
واہ یہ اشجار یہ پھولوں کے زیور خوشنما
سو تمسم تیرے انداز تکلم پر نثار
دل کو کرتی ہیں تیری دلکش صدائیں برقرار
سر زمین عیش ہے اے مادر دل سوز تو
آرزوؤں کی ہے بزم انبساط افروز تو
بزرہ خود رو کا گھوارہ ہے تیری سرز میں
تحفہ خلد بریں ہے تیری خوش منظر ز میں
پاک گنگا جل سے ہے بڑھ کر تیرا آب طہور
تیرے پاکیزہ شمر ہیں میوہ شاخ سرور
آسمان کے نور کی ہے جلوہ گاہ ناز تو
خلد کی ہے پاک دیوی مادر دمساز تو
عروں وطن کو سرور نے کبھی نہ ہبی تناظر میں نہیں دیکھا۔ ان کے لیے ملک ایک نشان

عظمت تھا اور مختلف قوموں کے فرزند اس وطن عزیز کے فرزند تھے۔ سرور کو چتوڑ کی عظمت کے ختم ہونے کا جتنا احساس تھا اس سے کہیں مالاں انھیں صنادید مغلیہ کی عظمت کے پارہ پارہ ہونے کا تھا۔ اسی طرح انہوں نے نشان اسلامیاں کے سرگوں ہونے پر ماتم کیا جس طرح انہوں نے مہاراناوں کی۔

سرور نے وطن کی عظمت رفتہ کا ماتم اپنی متعدد نظموں میں کیا ہے، عظمت کا تصور سرور کے یہاں صرف بامودر کی تعمیر و تیغ و تفنگ کی برق باراں نہیں ہے بلکہ علم وہنر کی وہ روشنی جو ہندوستان کی سر زمین نے سارے عالم کو دی، تہذیب و تمدن کا وہ درس جو سارے عالم نے ہندوستان سے لیا۔ سرور ان عظمتوں کا ماتم کرتے ہیں کہ ہمارے اس عظیم ملک نے ماضی میں ایسے کارناٹے انجام دیے۔ اور اس کی کلاہ افتخار میں ایسے ایسے نادر روزگار ہیرے گوہر تابدار بن کے چمکے۔ ان نظموں میں بھی سرور کا تصور وطن کسی ایک طرف مائل نہیں ہے بلکہ بحیثیت مجموعی اساطیری اور تاریخی تمام کرداروں کو اس ملک کی عظمت کا نشان قرار دیا ہے۔ ان کی اس طرح کی نظموں میں سر زمین وطن، خاک وطن، لکشمی جی، شیوں عروں، نیرنگ زمانہ، دربار اکبر، قومی نوحہ، چتوڑ کی گزشتہ عظمت وغیرہ شامل ہیں۔ ان نظموں میں سرور نے عظمت وطن کا ترانہ گا کر خاک وطن کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

سرور نے وطن کی عظمت کا ترانہ مختلف اور متنوع طریقے سے گایا ہے۔ کبھی وطن کی عظمت رفتہ کا نالہ کرتے ہیں۔ کبھی سامر اجی قوتوں کے پنجہ میں جکڑے ہوئے وطن کو آزادی اور خود مختاری کا خواب دیکھتے ہیں۔ کبھی اسلامیان ہند کی جہانداری کا مریشہ گاتے ہیں، کبھی اساطین وطن کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، کبھی قومی رہنماؤں کی خدمت جلیلہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا وطن کی محبت اور عظمت ان کے رگ و ریشہ میں پیوست ہے، وہ وطن کو پوچھتے ہیں ایک پچ پچاری کی طرح وطن کو اپنے من مندر میں عقیدت کے سب سے اوپرے مقام پر رکھتے ہیں۔ ان کے دل میں وطن کے لیے خلوص و عقیدت، دلیش بھگتی، عزت و احترام کا اعلیٰ ترین

مت quam ہے۔

سرور کی حب الوطنی نری عقیدت و احترام پر مبنی نہیں ہے بلکہ ملک کے ایثار و قربانی اور کچھ کر گزرنے کا جذبہ رکھتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کی شکست کے بعد جب سارا ملک شکست و ریخت سے دو چار تھا اب وطن یاں و نا امید کے عالم میں پڑے ہوئے استعماری قوتوں کا پنجہ استبداد وطن کو تاخت و تاراج کر رہا تھا۔ ملک کی دولت لوٹی جا رہی تھی۔ سرور نے ایسے نازک وقت میں ملت کو بیداری کا درس دیا اور انھیں قربانی اور جہاد کے جذبہ سے سرشار کیا۔ ان میں وطن کی عظمت رفتہ کی بازیافت کے لیے غزم عمل کی چنگاریاں بھر دیں، ملت کو بیدار کیا، اسے حوصلہ اور سہارا دیا۔ ایک شاعر سے اس سے زیادہ کی توقع بھی عبث تھی۔

سرور وطن پر لگنے والے ہر چرکے سے تڑپ جاتے تھے۔ دھرتی ماں کے سینے پر تنگ و تنگ کے جتنے زخم لگے سرور نے ان کی کمک اپنے سینہ میں محسوس کی اور دوسروں کو نالہ شیون فزا سے آبدیدہ کیا۔ سوامی رام تیر تھک کی ناوقت موت نے ان کو تڑپا دیا۔ لالہ لاچپت رائے کے سانحہ پر ان کے جذبات تلاطم شعر بن کر ڈھل گئے

اے شہید بہت مردانہ ایثار نفس
اے فنا فی القوم اے پروانہ ایثار نفس
آہ اے جرuds کش پیمانہ ایثار نفس
تو کہاں ہے اے چراغ خانہ ایثار نفس
تیرے غم میں آہ اے جاندادہ سوز نہاں
ہیں برنگ برق مضطرب تیرے پروانے تپاں

جب تقسیم بنگال کا سانحہ پیش آیا تو بے ساختہ تڑپ اٹھے۔ تقسیم بنگال دراصل تقسیم وطن کی تمہید تھی۔ برطانوی شاطروں نے ایک صوبے کو تقسیم کر کے ہندو مسلم کے افراط کی بنیادی رکھ دی تھی۔ مذہب کے نام پر ہوئی اس تقسیم نے پورے ملک کو فرقہ وارانہ فساد کی آگ میں جھونک دیا۔

سرور کی نازک طبیعت پر تقسیم بنگال کا گہر اثر ہوا۔ اس نے نہایت پروردہ
انداز میں اس سانحہ پر اپنے جذبات اظہار کیا۔

آہ اے بنگال! آلام و مصائب کے شکار
آہ اے کرزن کی پالیسی کے صید بے قرار
آہ اے نچیر ناوک خورده دست ستم
آہ اے خون میں جگر، خون میں کفن، خون میں مزار
آہ اے آماجگاہ ناوک جور فرنگ
آہ اے صید زبوں شوریدہ حال و بے قرار
تیرے پھولوں میں ہے عالم زخم دامن دار کا
خوب رلاتی ہے نگاہ شوق کو تیری بہار
دل کو برماتا ہوا گزر را جگر سے کس کا تیر
ہو گیا تھا کس شکار افغان کے ناوک کا شکار
کس کی تیغ نازنے دل پر تیرے چڑ کے دیے
مرغ بکمل کی طرح جو ہے زمیں پر بے قرار
کر کے دو ٹکڑے کلیجے کے یہ تیرے کون آہ
چل دیا تجھ کو تڑپتا چھوڑ کر بے گانہ وار
کیوں پچھاڑوں پر پچھاڑیں کھا رہا ہے ہائے تو
تیرے ارمانوں کا کس نے آہ کرڈا لافشار
کرزن بے داد خو، ابل پولس، حکام وقت
تو ہوا اف اف یہ کس کی جفاوں کا شکار

فطرت نگاری

نظم کو فطرت کی منظر کشی اور فطری مشاہدات کے اظہار کے لیے نسبتاً زیادہ آسانی سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بیشتر فطرت نگار شاعر نظم کے ہونے، یا انہوں نے فطرت نگاری کے لیے نظم کا سہارا لیا ہے۔

سرور بنیادی طور پر نظم کے شاعر تھے۔ انہوں نے اپنے ہر قسم کے خیالات کا اظہار بالعموم نظم کی شکل میں کیا ہے۔ انہوں نے وطنی شاعری، عشقیہ شاعری، مراثی وغیرہ سبھی کچھ اسی صنف میں لکھا ہے۔

سرور نے فطرت نگاری کے لیے بھی نظم کو بھی اپنا وسیلہ اظہار بیان ہنایا اور نظم کے پیرا یہ میں اپنا تصور مطابعہ فطرت پیش کیا ہے۔

سرور کی نظر میں کائنات کے مظاہر حسن ازل کے سرمدی اظہار ہیں۔ سرور فطرت کو ایک شکل میں بلکہ بو قلموں دیکھتے ہیں۔ ان کو خزاں میں بھی ایک حسن نظر آتا ہے اور بہار بھی اس کے حسن کا پرتو ہے۔ سرور نے فطرت کے مختلف رنگوں اور بہار و خزاں کی بو قلموں کی ایک ایسی تصویر کشی کی ہے کہ بے ساختہ آنکھوں کے سامنے ایک مرتع کا ورق و اہو جاتا ہے جس میں ہم تصویروں کو عالم تخلیل میں حقیقت کا روپ لیے ہوئے دیکھتے ہیں۔

آسمان پر بادلوں کے پرے، صحرائی سربزی و شادابی، شھنڈی ہوا میں، وہ سطح آب پر موجود کی سر کشی، آبشاروں سے سبک بہتا ہوا پانی، پانی کی سطح میں ہلکو رے لگانے سے سورج کی کرنوں کا لہلہانا، باغوں میں پرندوں کا چپھانا، چمن میں کلیوں کا چٹکنا، کوئل اور پسیہ کی کوک، چاندنی راتوں میں ماہتاب کی بہار وغیرہ ان کی نظموں کے مخصوص موضوعات ہیں۔

سرور نے عروس فطرت کا نقشہ ایسا کھینچا ہے کہ تصویر نظروں میں ڈول جاتی ہے۔ سرور فطرت پرست تھے۔ ان کے لیے فطرت صرف نظارہ جاں سوز نہیں تھا

بلکہ نسیم سحر کی سخن دی ہوا ان کے لیے آرام جاں اور راحت قلب کا سامان تھی۔ باد صبا کے نرم خرام جھوٹے جب چمن زار سے گزرتے تو ان کا سرمدی نغمہ ان کے لیے دلشکی عطا کرتا تھا۔ ایک قطعہ میں نہایت خوبصورتی سے اظہار خیال کیا ہے:

کیا سخن دی سخن دی اے نسیم سحر ہے تو
آرام جاں ہے راحت قلب و جگر ہے تو
نور نگاہ دیدہ اہل نظر ہے تو
مرما یہ فروغ حیات بشر ہے تو

تو وہ کہ تیرے دم سے معطر مشام شوق
کرتی ہے ایک نگاہ میں سرمست جام شوق

ایک صحن باش بی نہیں خلوت سرا تیری
خالی کسی انجمن میں نہیں ہوتی ہے جا تیری
ہر جام میں بھری ہے مے جانفرزا تیری
ہر ساز سے نکلتی ہے دل کش صدا تیری
محفل میں آئی شمع سحر کو بجھا گئی
سینے کی آگ سوز جگر کو بجھا گئی

سرور نے موسم بہار کی گلکاریوں کو خاص طور پر نظم کیا ہے، نسیم سحر کی آمد، سبزہ زار، پھولوں کا مہکنا، پانی کی روائی، بگلوں کی قطار، قمری کی نغمہ سنجی کو بڑی خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ موسم بہار کی آمد کے ساتھ ہی دریا کی روائی بڑھ جاتی ہے، غنچے کھلاتے ہیں، شاخوں پر خوش الحان پرندے نغمہ سنج ہوتے ہیں، خزان رسیدہ درختوں پر نئے کومل پتے نئی بہار دکھاتے ہیں۔ جنگل و پہاڑ موسم بہار کے پھولوں کی مہک سے معطر ہو جاتے ہیں۔ سرور نے ان مناظر کو نہایت خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ اس کے کلام میں کسی ماہر نقاش کی باریکی اور کسی مصور کی رنگ آمیزی ہے، وہ مناظر فطرت کو رنگینی و رعنائی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ان کے لب و لبجھ اور اسلوب پر فطرت کا

حسن غالب آجاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خود فطرت اپنی زبان میں کلام کر رہی ہے۔ بہار چمن کی آمد میں کیا خوبصورت مرقع نگاری کی ہے۔ درج ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

آتی ہے تو چمن میں جو لے کر پیام صح
بھرتی ہے آب گوہر شبنم سے جام صح
آنے سے تیرے باغ میں اے خوشرام صح
ہوتا ہے ہر روشن پہ نیا اہتمام صح
کلیاں شلگفتہ ہوتی ہیں غنچے چٹکتے ہیں
شاخوں پہ طاران غزلخواں چہکتے ہیں
گھونگھٹ الٹ الٹ کے رخ ناز نین سے تو
کرتی ہے چھیڑ سلسلہ عنبریں سے تو
بوئے کو ہمکنار گل و یاسیں سے تو
چلتی ہے بس کے عطر میں خلد بریں سے تو
یوں دھیمی دھیمی آتی ہے تاروں کی چھاؤں میں
مہندی لگا کے جیسے چلے کوئی پاؤں میں
ٹھہری نہ اک جگہ ادھر آئی ادھر گئی
وقت خرام ناز عجب گل کتر گئی
چہرے پہ بن کے زلف معنبر بکھر گئی
چڑھتے ہی ان کے صاف گھٹا سی اتر گئی
سورج بڑھا فلک پہ ادھر اور صبا نہ تھی
جو چھوئے وہ سرد سرد وہ ٹھنڈی ہوانہ تھی
گلگشت باغ کیا جو گلتاں میں تو نہ ہو
سبزی نہ ہو گیاہ میں پھولوں میں بو نہ ہو

یہ جوش گل چمن میں یہ رنگ نموده ہو
سبرے میں تازگی بھی لب آبجو نہ ہو
تو بھر کے ہاتھ سے نہ پلانے جو جام شوق
تازہ نہ ہو گلوں کا چمن میں مشام شوق

عشقیہ شاعری

اردو شاعری اور عشق کا چولی دامن کا ساتھ، عشق نہ تو محض شاعری کے لیے عشق کیا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات عشق ناکروہ کی تہمت اپنے سرلی جاتی ہے، اور یہ واقعہ بھی ہے کہ انسانی جذبات میں عشق خواہ حقیقی ہو یا مجازی سب سے زیادہ پڑا شر ہے اور اس میں اس بات کا امکان ہے کہ اس کے سوارے گنجینہ معنی کا ایک طسم خانہ ترتیب دیا جاسکے۔

عشق و جذبہ عشق کی یہ داستان اردو شاعری کا ایسا جزو لا ینک ہے کہ اس میں چاہے گفتگو رموز تصوف کی ہو یا فلسفیانہ نکات کی، عالم فطرت کی نقاشی ہو یا عالم افکار کے تختیل کی زود پرواہی سب کچھ اسی دشنہ و خخبر اور عشق و محبت کے پیرا یہ میں بیان کی جاتی ہے۔ مرزا غالب نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔

سرور کی شاعری عشق و محبت کے جذبات سے سرشار ہے، سرور نے نظم کو اظہار کا وسیلہ بنایا اس کی عشقیہ شاعری بھی نظم کے پیرائے میں ہے اور اس طرح سرور حسن و عشق کی کیفیات و اپنے تجربات مسلسل مضمون میں کہہ سکتے ہیں۔

سرور نے ایک طرف عشقیہ جذبات کا اظہار نظم کے وسیلے سے کیا ہے۔ دوسری طرف اپنے افکار، حب الوطنی اور فطرت نگاری جیسے مضامین کو بھی عشقیہ استعارے اور حسن و محبت کی محاکاتی زبان میں بیان کیا ہے۔

جہاں تک عشق مجازی کا تعلق ہے سرور کے سلسلہ میں کوئی ایسی شہادت

نہیں ہے جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ وہ اپنی ذات اور اپنی شریک حیات کے علاوہ کسی کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہوئے ہوں۔ بایس ہمہ ان کے یہاں عشقیہ جذبات کے اظہار کا بہترین اسلوب ہے ان کی نظمیں جذبات کی مکمل عکاسی کرتی ہیں۔ حسن و عشق کے راز و نیاز، عشق کی رنگارنگی، ذوق جمال، دلبروں سے گفتگو، محبوب کا سر اپا افسانہ ہجرو وصال اور درد و غم کی کیفیات کا اظہار نہایت خوبی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

سرور کا تصور عشق جسمانیت سے مبرانہ نہیں لیکن مبتنی بھی نہیں ہے۔ وہ عشق و محبت کے جذبات کو لطافت اور پاکیزگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ان کا پیرا یہ اظہار سو قیمت اور لذت پرستی سے ماوراء ہے، سرور کا تصور عشق حیات انسانی کے بیشتر گوشوں کو حاوی ہے لیکن عشق کا دائرہ محبوب کی زلف گرہ تک محدود نہیں ہے، اور نہ بھی موبہوم کمر کی تلاش لاحصل ان کی شاعری کا عنوان ہے بلکہ ان کی شاعری میں فطرت سے عشق، بلبل کا نغہ، کویل کی کوک، نیم ہوا کی نرم خرامی، وطن کی لمبیلی فضائیں اور ان کے افکار و غیرہ سب تصور عشق میں داخل ہیں۔

سرور نے اگرچہ روایتی شاعری کے بعض پہلوؤں جیسے رقیب، عدو، نامہ بر وغیرہ اصطلاحات کو شاذ و نادر ہی استعمال کیا ہے تاہم وہ عشق کے روایتی اسلوب سے دامن نہ بچا سکے، انہوں نے بھی وہی محاکات اور استعارات استعمال کیے ہیں جو اردو عشقیہ شاعری کی روایت رہی ہے۔ ان کی شاعری میں بھی عندلیب کی نغہ سرائی، عاشق کے اظہار عشق کا استعارہ ہے اور شاہد گل محبوب کا۔ ان کے یہاں بھی شمع جلتی ہے تو پروانہ ہزار جاں ثار کرنے چلا آتا ہے اور لالہ کا داغ کسی عاشق دلگیر کے داغ عشق سے کم نہیں ہوتا۔ عشق پر ایک نظم کے چند اشعار:

میں بزمِ دہر میں ہوں وہ حیرت طراز عشق
ٹکڑے دل و جگر کے ہیں آئینہ ساز عشق
رسوا چمن میں شاہد گل ہونہ عندلیب
اے تنگ حوصلہ نہ کر افشاۓ راز عشق

مجبور ہوں کہ مانع سجدہ بے رعب حسن
 ہوں تیرے در پہ ورنہ سراپا نیاز عشق
 وہ داغ ہوں کہ لالہ برق فنا ہوں میں
 وہ اشک خوں ہوں میں کہ ہوں طوفان طراز عشق
 پروانہ ازل ہوں میں اے شمع انجمن
 مجھ سے نہ پوچھ قصہ سوز و گداز عشق
 تو اور محو حسن تحریر فزا مدام
 میں اور ایک شیوه بخز و نیاز عشق
 ہر آئینہ میں عکس ہے اس کے جمال کا
 اہل نظر ہے شرط مگر امتیاز عشق
 وہ روشناس سوز محبت ہوں میں سرور
 پہلو میں داغ عشق ہوں دل میں گداز عشق

سرور کا محبوب خالص ہندوستانی ہے اس کی ادائیں، اس کی سجاوٹیں، اس کے چتوں،
 اس کے عشوہ و غزرے یہیں کی فضاؤں میں ڈھلنے ہیں۔ سرور نے نہایت باریکی کے
 ساتھ اپنے محبوب کے سراپا، اس کا قد، اس کا لباس، اس کا اسباب زیباںش، اس کی
 چوریاں، نور تن، مانگ میں افشاں، ہونٹوں پر مسی اور بدن سے اٹھتی ہوئی مسحور کن
 خوشبو کی تصویر ایسے دلفریب اور دلگداز انداز میں کھینچی ہے کہ سراپا نظروں میں گھوم
 جاتا ہے۔

الجھے سلمجھے بال، متانہ، ادا، متواںی چال
 تیکھی چتوں، گورے گورے گال، چھوٹا سادہ من
 ننھی ننھی انگلیاں، پتلی کمر، بونٹا ساقد
 اس پہ سونے کا سہاگہ جامہ زیبی کی پھین

گوری گوری ساق نہیں، پیاری پیاری ایڑیاں
قد چھر ریا جسم سانچے میں ڈھلا نازک بدن
چھوٹے چھوٹے دانت کلیاں موٹیا کی خوشنا
پتلے پتلے زم و نازک ہونٹ برگ یا سمن
گورے گورے ہاتھوں میں تھی دھانی دھانی چوڑیاں
پیارے پیارے بازوؤں میں بلکے بلکے نور تن
بے لب رنگیں پہ مسی کی اداہٹ کے نشاں
اوے اوے فالسوں کا تھا شلغفتہ ایک چمن
رخ کی افشاں کا عجب عالم تحریر خیز تھا
دن میں آتی تھی نظر تاروں بھری ایک انجمن
بھینی بھینی بس کے آتی تھی تن نازک سے بو
صانعِ قدرت نے صندل کا بنایا تھا بدن

سرور چونکہ خود زخم جگر کھائے ہوئے تھے عین عالم شباب میں ان کی رفیقتہ حیات جوان
کے ہر جذبے عشق کا واحد مر جمع تھی انھیں داغ جدا ای دے گئی تھی۔ اور اس غم نے
انھیں اتنا نڈھاں کر دیا تھا کہ چار سال تو لب سے رہے آہنہ کی اور جب آہ نکلی تو وہ بھی
محبوب کے نام کی۔ اس لیے سرور کی شاعری میں عشق کی یہ جان انگیزی نہیں ہے بلکہ
عام طور پر افسانہ بھر کے خطوط ان کی شاعری میں نظر آتے ہیں۔

سرور کے تصور عشق میں وصال کی سرمستیاں نہیں ہیں بلکہ بھرو فراق کی
دلگدرازیاں ہیں۔ محبوب کی یاد میں ترپنا اور رخ محبوب کی شمع پر پروانہ وارثا رہو جانا ان
کے فکر کا شاخانہ ہے۔ سرور نے اپنے غم عشق کے اظہار کے لیے جگنو اور پروانہ کو
بارہ استعمال کیا ہے۔ جگنو کی چمک اگرچہ آتش سوز سے خالی ہے۔ اس لیے وہ سوزِ محبت
سے نا آشنا ہے، لیکن سوزِ محبت کی لذت سے محرومی کا احساس اس کو اسی طرح ہے جس

طرح عاشق کو محبوب سے فراق کا احساس رہتا ہے۔

آسمان مجھ کو اگر سوزِ محبت دیتا
ایک کیڑے کو جو پروانے کی قسمت دیتا
آہ میں تشنہِ لبِ ذوقِ شہادت ہی رہا
تجھ سے محروم میں اے سوزِ محبت ہی رہا

سرور نے پروانے کی تیمیخ میں عاشق کے کردار کو بیان کیا ہے کہ عاشق کا اصل منتهاۓ
مقصود محبوب کے رخ افروزاں پر شمار ہو جاتا ہے۔ جس طرح پروانہ شمع کی لوپر جل کر
اپنی جان دے دیتا ہے، اسی طرح عاشق محبوب کے نام پر قربان ہو جاتا ہے۔ یہی پروانہ
اور عاشق کا مآل حیات ہے:

صدائے شمع بولی جو یک بیک زینت گوش
کہا پنگے نے ایک غم گسار شعلہ فروش
ازل سے لے کے دل دردمند آیا ہوں
میں بزمِ دہر میں بن کے سپند آیا ہوں
سرد ہے آگِ محبت کی آگ سے تیری
لگاؤ دل کو زیادہ ہے لاغ سے تیری
وفا سے دور ہے تو شب کو انجمن میں ملے
تیرا شہید نہ سوزِ غم و محن میں جلے

عطاؤ کیا ہے تجھے جس نے دل پکھلنے کو
اسی نے مجھ کو بنایا ہے تجھ پہ جلنے کو

یہ حقیقت ہے کہ سرور دراصل عشق کے شاعرنہ تھے بلکہ فطرت کے شاعر تھے۔ ان
کی عشقیہ شاعری بھی دراصل ان کی فطری شاعری کی غماز ہے، عشقیہ شاعری میں بھی
انھوں نے پروانہ، شمع، جگنو، لالہ، لیلی، مجنوں، نجد کے بیاباں وغیرہ تلمیحات کے دائرہ
میں اپنے تصور عشق کا اظہار کیا ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سرور رموزِ عشق سے نا آشنا تھے بلکہ صرف یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ فطری شاعری کے لیے یا قومی شاعری کے لیے تخلیق کیے گئے تھے اور انہوں نے اپنی شاعری کا محور اسی کو رکھا عشق کو نہیں۔ جہاں تک رموزِ عشق کا تعلق ہے تو وہ اس سے پوری طرح آگاہ تھے اور عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کی منزلوں سے آشنا تھے۔ ایک جگہ خود اپنے بارے میں کہا ہے

وہ روشناس سوزِ محبت ہوں میں سرور
پہلو میں داغِ عشق ہو دل میں گدازِ عشق

سرور کا عشقِ مجازی بھی دیگر شعر اکی طرح نہ تھمت برخود کے قبیل کا تھا اور نہ ہی ابتدال کے قبیل کا۔ بلکہ وہ سراسر مشرقی اطوار کا حامل پاکیزہ عشق تھا۔ جس میں عاشق کی نظر نہ کسی بام و در کے کناروں پر کسی کے انتظار میں لگی رہتی ہے اور نہ ہی کسی محفل میں دزادہ کسی سیمیں کے رخِ محبوب کو تاکتی ہے۔ بلکہ ان کا محبوب خود ان کی اپنی بیوی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے دامِ الفت کی کمند کسی اور پڑا لئے کی سعی نہیں کی اور جب بیوی داغِ جدائی دے گئی تو اسی کو غمِ جاناں بنالیا۔

تمام عمر سامنا رہا قضا کا سرور
گئی نہ وہ جو کلمجے پہ چوت تھی بھاری

مذہبی شاعری

درگاہائے سرور جہاں آبادی کو کسی ایک مذہب یا ملت میں محدود کرنا زیادتی ہو گی وہ آفاقتی شاعر تھے، ان کا کلام مذہبی دائرے اور مذہبی تنگ نظری سے پاک ہے۔ انہوں نے جس طرح ہندو مذہب کے بارے میں شاعری کی ہے وہی انگریزی نظموں کے تراجم کیے ہیں، عیسائی شخصیات پر نظمیں کہی ہیں۔ وہ جس طرح ہندو روایات کے امین تھے اسی طرح اسلامیان ہند کے زوال کی کک ان کے دل میں کائنے

کی طرح چھپتی تھی، زوال اسلامیان ہند خاص طور پر سقوط دبلي کا مرشیہ انہوں نے بار بار کیا ہے۔ ایک جگہ نہایت رقت آمیز انداز میں لکھا ہے۔

جس پہ اہرایا کیا صدیوں تک اسلامی نشاں
نذر طوفان ہو گیا وہ تحفہ عبد کہن
خانہ ویرانی برستی ہے در و دیوار پر
نقش عبرت اب بھی ہیں آثار صنادید کہن
رزم میں تھی گل کھلاتی جن کی تیغ ضوفشاں
ان کے مرقد پر ہے پھولا لالہ رنگیں کفن
چھپ گئے کتم عدم میں کیسے کیسے حکمران
لگ گیا افسوس کس کس ماں کامل کو گہن

سر پہ دلی کے جہاں داری کا سبر اب کہاں
شابد ماتم نشیں ہے اب یہ اکبیلی دلبن
سرور نے جو اظہمیں ہندو مذہب یا ہندو روایات کے بارے میں لکھی ہیں وہ
بھی کسی مذہبی عصوبیت کی غماز نہیں ہیں اور نہ انہوں نے اپنے مذہب کو برتریاد و سروں
کے مذہب کو کم تر ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔

ہندو مذہب سے متعلق ان کا سرمایہ سخن مذہبی شخصیات، اساطیری کرداروں
کی عظمت، دیوی دیوتاؤں اور او تاروں کی کہانی کے گرد گھومتا ہے، مذہبی مقدس
مقامات جیسے گنگا پریاگ کا سنگم وغیرہ بھی ان کی نظموں کے موضوعات ہیں۔ اور
دلچسپ بات یہ ہے کہ سرور کی نظموں میں صرف ہندو مذہبیات ہی نہیں ہیں، بلکہ
اسلامی شخصیات پر بھی انہوں نے معركہ آرائی میں لکھی ہیں، سرور کی نعت گوئی اردو
نعت نگاری میں اپنا مخصوص مقام رکھتی ہے، بلکہ حقیقتاً وہ ایسے شاعر تھے جن کی نظر
میں کفر و اسلام کی تفریق بے معنی تھی یا یوں کہیے کہ وہ دونوں کو ہی یکساں نظر سے
دیکھتے تھے۔ ان کا ایمان تھا۔

اپنا مذہب بے اک شرط طریقِ اخلاص
کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم

سرور نے مذہبی شخصیات میں معاصر شخصیات جیسے سوامی رام تیر تھے اور بال گنگا دھر
تلک وغیرہ پر نظمیں لکھی ہیں۔ ان کا تذکرہ مرثیہ نگاری کے ذیل میں آچکا ہے، قدیم
اساطیری کرداروں میں رام چندر جی، سیتا جی، راجہ دسر تھے، لکشمی وغیرہ پر نظمیں لکھی
ہیں۔

لکشمی پر ایک طویل نظم لکھی ہے۔ یہ نظم ان کے دورِ آخر کی نظم ہے جس
میں ان کا شعور کلام پختگی کے معیار کو چھو گیا ہے۔ اس نظم کے چند اشعار جن میں لکشمی
کے سر اپا کو بیان کیا ہے حسب ذیل ہیں:

شہ مہورت وہ عجب تھی وہ عجب شہ لگن
کہ جب آکاش سے اترا تھا ترا شنگھائی
نظر آتی تھی تیری صورت میں عجب حسن کی جوت
تو نے دیوی ہمیں جو اپنے دکھائے درشن
ایک چکا چوند کا عالم دم نظارہ تھا
گورا گورا تن نازک تھا سر اپا کندن
تھی چمک خوب تیرے چاند سے رخساروں کی
کسی مندر میں تھے یا گھلی کے دیے دو روشن
تر چھپی بانکی کمانیں تھی کڑی دونوں بھویں
لیے پھرتے کبھی بن میں جنھیں رام و لکھن

سرور کی یہ طویل نظم لکشمی کے حسن جسمانی کی تعریف اور اس کے الوگ یا الوہی
اوصاف کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس نظم میں سرور نے لکشمی کو دیوی کے روپ میں
فلک مکیں اس ملکوتی صنف کی شکل میں پیش کیا ہے جس کی توصیف ممکن نہیں، لیکن
دیوالی کی رات وہ دیوانی اپنے مند فلک سے اتر کر زمین پر آتی ہے اور ایک حسین دوشیزہ

کاروپ دھارن کرتی ہے۔ سرور نے اس روپ میں اس کے حسن ازal کی تعریف کسی ایسی ملکہ حسن کی حیثیت سے کی ہے جس کے حسن میں ملکوتی عنصر شامل ہو جس کی مشاٹگی خود صانع ازal نے کی ہو اور جو حسن دلبری کا مکمل نمونہ ہو۔

اس نظم کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں سرور نے ہندی الفاظ بکثرت استعمال کیے ہیں جیسے شبھ، مہورت، لگن، آکاش، سنگھاسن، جوت، درشنا، دئے، یملکہ، اپرا، سندھ، برنا، کنڈل، چرن، سکھی، بچن، امرت، ابھرنا، کوکلا، کنوں وغیرہ۔ ہندو مذہب سے متعلق دوسری نظموں میں انہوں نے ہندی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

سرور نے مذہبی اساطیری شخصیات کے بارے میں بہت کم لکھا ہے تاہم بعض ایسے معزکہ آرافن پارے چھوڑے ہیں جو اپنی عظمت کلام کا خود منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ایسی ہی ایک نظم وہ ہے جس میں رام چندر جی کے بن باس جانے کے ارادہ پر مطلع ہونے کے بعد بیتا جی رام سے درخواست کرتی ہیں کہ انھیں بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔

ہمراہ اپنے بن کو مجھے ناتھ لے چلو
ریکھا تمہاری چرنوں کی ہوں ساتھ لے چلو
نازک ہے میرا شیخہ دل ٹوٹ جائے گا
چھوٹا تمہارا دلیش تو جی چھوٹ جائے گا
گھر میں جو چھوڑ جاؤ گے سیتا غریب کو
پاؤ گے بن سے آکے نہ جیتا غریب کو
ایسے تمہارے ساتھ پھر دلگی میں بن میں خوش
بھنورا کلی کلی پہ ہو جیسے چمن میں خوش
پیتا مبر سمجھ کر درختوں کی چھال کو
آرستہ کروں گی قد نو نہال کو
سنجھہ بنا کے لائے گا بستر مرے لیے
جھولا جھلانے آئے گی صرصر مرے لیے

صورت تمہاری دیکھ کے غم بھول جاؤں گی
صحرا کے سارے رنج و الم بھول جاؤں گی

کرپا ندھان مجھ کو نہ دکھ دو ویوگ کا
پروانوں کے پران نہ دکھ دو ویوگ کا

سرور کی مذہبی شاعری کو اس آفاقتی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس نے جو خالص مذہبی نظمیں لکھی ہیں وہ بھی اسی جذبہ انسانیت اور تصور آفاقتی کے تناظر میں لکھی ہیں۔ اگر وہ لیکھرام آریہ کا مرشیہ لکھتے ہیں تو نواب محسن الملک کی رحلت بھی انھیں خوب رلاتی ہے۔ اگر وہ سوامی رام تیرتھ کے فراق میں سرگرم فغاں ہوتے ہیں تو جہاں استاد داش کی جدائی بھی ان کے اندر کے شاعر کو اتنا دلگیر کر دیتی ہے کہ نالہ غم شعر کے سانچے میں ڈھل کر صفحہ قرطاس پر بکھر جاتے ہیں۔ اگر انھیں تقسیم بنگال کا سانحہ تڑپا دیتا ہے تو ستوط دبلی کی یاد ان کے دل میں کسی تیر نیم کش کی طرح حکمتی ہے۔

انھیں سیتا جی کی گریہ وزاری کا تصور نغمہ ریزی پر مجبور کرتا ہے، وہ سر تھہ کی بے قراری ان کا قرار کھوتی ہے لکشمی کا نزول ان کے لیے پیام فرحت ہے۔ پریاگ کا نظارہ ان کے لیے قدس کا نشان ہے۔

لیکن ان کے ساتھ ساتھ سرور کا آفاقتی تصور اس کو پیغمبر انسانیت سر کار مدینہ خواجہ گیہاں کے دربار میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے والوں کی صفت میں بھی لاکھڑا کرتا ہے اور ان کا نوک قلم نعت نبیؐ کے معیارِ شرافت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ ان کی ایک نعت شریف کے چند الفاظ ملاحظہ ہوں:

دل بے تاب کو سینے سے لگائے آجائے کہ سنبھلتا نہیں کمخت سنبھالے آجائے
پاؤں ہیں طول شب غم نے نکالے آجائے خواب میں زلف کو مکھرے سے ہٹالے آجائے
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجائے

نبیں خورشید کو ملتا تیرے سائے کا پتہ کہ بنا نور ازل سے ہے سر پا تیرا
اللہ اللہ تیرے چاند سے مکھڑے کی خیا کون بے ماہ عرب کون بے محبوب خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نزالے آجا

مرثیہ نگاری

اردو میں مرثیہ نگاری کی روایت شہید کر بالا امام حسین کے نالہ و ماتم سے عبارت رہی ہے۔ بے شمار شعر انے صرف اسی غم کی ترجمانی میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ میر انیس اور مرزاد بیرون گیرہ مرثیہ کے نام پر واقعہ کر بالا کے نوک و پلک سنوارتے رہے۔ اور واقعہ ہے کہ اس فن کو روحِ کمال تک پہنچایا صرف مرثیہ نگاری نہیں بلکہ رزمیہ ادب کا شاہکار نمونہ اردو کو دیا، جنگ کی منظر کشی، جرمی کا میدان میں اترنا، دشمنوں سے مقابلہ، گھمسان کی جنگ وغیرہ کیفیات جس انداز میں ان مرثیوں میں ملتی ہیں کسی دوسری صنف میں نہیں ملتیں۔

واقعات کر بالا کو بیان کرنے کے ساتھ شخصی مرثیوں کی روایت بھی نہیں ہے لیکن اس کو صنف کی حیثیت آج بھی حاصل نہیں۔ مرزاغالب نے اثر انگلیز شخصی مرثیہ کہا جو اس طرح کی اولین کوششوں میں سے ہے۔ مرزاغالب کے تلامذہ نے بھی شخصی مرثیے کہے۔ دیگر بڑے شعراء میں علامہ اقبال، چکبرت، حالی کے ساتھ ساتھ ایک نام درگاہی سے سرور کا بھی عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ سرور نے واقعات کر بالا کو تو نظم نہیں کیا لیکن شخصی مرثیہ متعدد تکھے۔

سرور کے مراثی میں دلی جذبات کا اظہار ہے۔ ان کے یہاں صرف الفاظ کی بندشیں چستہ و ششتمہ ترکیب اور الفاظ کا بہاؤ بھی نہیں ہے بلکہ چے جذبات کی ترجمانی ہے۔ وہ غم و الم کی تصویر اسی طرح پیش کرتے ہیں کہ خود بھی اسی کا حصہ بن جاتے ہیں اور قاری کے دل کو بھی اپنے غم میں شریک کر لیتے ہیں۔ ان کے مرثیہ کا انداز انتہائی

جذباتی ہوتا ہے۔

سرور کی یہ اثر آفرینی اور جذبات کا تلاطم مصنوعی نہیں ہے بلکہ حقیقی ہے۔ اس لیے اس میں اتنی تاثیر اور درد ہے۔ سرور کو جن رہنماؤں یا اساطین سے محبت نہیں ان کی موت کا غم ان کے یہاں الفاظ کے سانچے میں ڈھالا تھا۔ انہوں نے مر شیہ مغض و ضع نباہنے یا شہرت حاصل کرنے یا تملق کی بنیاد پر نہیں کہے تھے بلکہ ذاتی تعلق کی بنیاد پر کہے تھے۔

سرور کے قومی مرثیوں میں لاہل اچپت رائے کا مر شیہ نہایت اہم ہے۔ اس میں سرور کا فن پورے طور پر نمایاں ہو کر سامنے آیا ہے۔ اس میں اظہار بیان کی لطافت، زور زبان جذبات کا تلاطم، اظہار غم ساری خوبیاں جمع ہیں۔ اس مر شیہ کے چند بندی یہ ہیں:

اے شہید ہمت مردانہ ایشارہ نفس
اے فنا فی القوم اے پروانہ ایشارہ نفس
آہ اے جرuds کش پیمانہ ایشارہ نفس
تو کہاں ہے اے چراغ خانہ ایشارہ نفس
تیرے غم میں آہ اے جاندادہ سوز نہیاں
ہیں برنگ برق مضطر تیرے پروانے تپاں
اے محبت قوم اے سرمایہ جان وطن
مر جبا اے نازش اجزاء ارکان وطن
جبذا اے جلوہ افروز شبستان وطن
آفریں صد آفریں اے جوہر کان وطن
ہو کے طوفاں میں اسیر حلقة گرداب تو
بن کے چمکا تاج شہرت کا در نایاب تو
سوامی رام تیر تھا اور نواب محسن الملک پر انہوں نے جو مر شیہ لکھے وہ بھی ان

کے کمال فن کا نمونہ ہیں۔ انہوں نے ان مراثی میں ان حادثات کو قومی سانحہ قرار دیا اور نہایت پُر درد اسلوب میں مرثیہ لکھا ہے اور دونوں قافلے سالاروں کی واقعی عظمت جس کام میں پہاں تھی ان کی خوبیابیان کی ہیں۔

سوامی رام تیر تھے ایک فلسفی اور سادھو قسم کے انسان تھے، ان کی بے وقت موت نے ان امیدوں پر پانی پھیسر دیا جو ملک و قوم کو ان سے وابستہ تھیں۔ اقبال نے سوامی رام تیر تھے کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرہ بے تاب تو
پہلے گوہر تھا بنا اب گوہر نیا ب تو

ان کی بے وقت موت دریا میں ڈوب جانے کی وجہ سے ہوئی۔ سرور نے ان پر جو مرثیہ لکھا اس کے چند بندوقیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

منزلِ خود میں ہے ذرہ خلوت آرا کونسا
دوش بر دوش صدف ہے در یکتا کونسا
آشنا بحرِ حقیقت کا ہے ایسا کونسا
ہو گیا دریا میں دریا مل کے قطرہ کونسا

صف الٹ کر کون یہ بزمِ جہاں سے اٹھ گیا
شماع و پروانہ کا پردہ درمیاں سے اٹھ گیا

خاک میں کس کو بلا یا آہ تو نے آسمان
کس پہ ٹوٹا ہائے تو اے دستِ مرگِ ناگہاں
شرق میں جس کی چمک تھی زیبِ تاجِ عز و شان
خاک میں ہے آہ اب وہ گوہر یکتا نہاں

موتیوں سے یوں اے قومِ خالی تاج ہو

حیفِ تیری آرزوؤں کا چمن تاراج ہو

اسی طرح نوابِ محسن الملک کی قومی خدمات اور ملک و قوم کی ترقی کے لیے ان کی مساعی

کوان کے مرشیہ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

پنڈت لیکھرام آریہ مسافر کے سانحہ قتل سے متاثر ہو کر ایک پوری کتاب
مرشیہ کے انداز میں خونِ ناحق کے عنوان سے تصنیف کی۔

قومی رہنماؤں کے علاوہ معاصر شعر اور ادب پر بھی انہوں نے مرشیہ لکھے جو
ان کے ساتھ ان کی دل بستگی اور محبت کی وجہ سے لکھے گئے۔ اس طرح کے مراثی میں
سب سے زیادہ پُر تاشیر مرشیہ مولانا محمد حسین آزاد کا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے
شاعر نے غم کا کلیجہ چیر کر رکھ دیا ہو، مرشیہ کا ایک ایک شعر شاعر کے دل کی کیفیت کا

آئینہ دار ہے۔

اے دیوانے کہاں پیدا ہیں اب روشن دماغ
ہو گئی مرنے سے تیرے بزم دلی بے چرانغ
چنگیاں پبلو میں لے گا کس کا انداز بیاں
کس کی باتیں اب چھیس گی بن کے دل میں بر چھیاں
آہ یوں کھینچ گا نظم و نثر کی تصویر کون؟
اپنے دیوانوں کو پہنائے گا اب زنجیر کون؟

دَاغ کے مرشیہ میں انہوں نے دَاغ کی فنی خوبیاں، اس کا اسلوب بیان، اس
کی اظہار بیان کی اطافت کا مرشیہ لکھا ہے۔

اے نظم تیرا عشوہ دل جو کدھر گیا
سر چڑھ کے بولتا تھا وہ جادو کدھر گیا
شانہ وہ کیا ہوا خم گیسو کدھر گیا
چوٹی کا پھول داغ سمن بو کدھر گیا
کلیاں کدھر گئیں تیرے دامن ناز کی
بو بھینی بھینی کیا ہوئی زلف دراز کی

اے حسن تیرا نغمہ اعیاز کیا ہوا
 اے عشق تیرا سوز فزا ساز کیا ہوا
 وہ طوٹی خیال کا ہم آواز کیا ہوا
 وہ عندلیب زمزمه پرواز کیا ہوا
 وہ صحبتیں وہ انجمن آرائیاں کہاں
 وہ آہ داغ کی سخن آرائیاں کہاں
 مضمون حسن و عشق کے اوتر جماں چک
 بزم سخن ہیں داغ فصح البدیاں چک
 اے ہم صفیر طوٹی خوش آشیاں چک
 مرطع پہ اپنے بلبل ہندوستان چک
 کس نے کہا کہ داغ وفادار مر گیا
 وہ ہاتھ مل کے کہتے ہیں کیا یاد مر گیا

باب چہارم

انتخاب کلام

واہ یہ جاں بخش پانی یہ ہوائے خوشگوار
یہ ترو شاداب شیریں میوه ہائے خوشگوار
ٹھنڈی ٹھنڈی عطر میں ڈوبی ہوئی باد جنوب
سبر کھیتوں کی فضائیں اور یہ میدانوں کی دوب
کل شفقت ہو ترا اے مادرِ مشفق دراز
خاک پر کیا کیا ترمیٰ تیرے مکینوں کو ہے ناز
ہاں یہ ترمیٰ چاندی راتوں کا منظر خوشنما
واہ یہ اشجار یہ پھولوں کے زیور خوشنما
سو قبسم تیرے اندازِ تکلم پر نثار
دل کو کرتی ہیں ترمیٰ دلکش صدائیں بے قرار
سر زمین عیش ہے اے مادرِ دلسوز تو
آرزوؤں کی ہے بزمِ انبساط افروز تو

سبزہ خود رو کا گھوارہ ہے تیری سر زمیں
 تحفہ خلد بریں ہے تیری خوش منظر زمیں
 پاک گنگا جل سے ہے بڑھ کر ترا آب طہور
 تیرے پاکیزہ شر ہیں میوہ شاخ سرور
 آسمان کے نور کی ہے جلوہ گاہ ناز تو
 خلد کی ہے پاک دیوی مادرِ دمساز تو
 نوجوانوں کی ہے ہمت تو دلیروں کی سپر
 کانپتے ہیں دشمنوں کے تیری ہیبت سے جگر
 نورِ دانش تو فروغ جلوہ ایمان ہے تو
 دل ہے تو سرمایہ صبر و شکیب جاں ہے تو
 قوت بازو ہے میری مادر غنخوار تو
 سینئے پُر غم میں ہے میرے نفس کا تار تو
 تیرا دیو استھان دیوی دل کے کاشانے میں ہے
 تیری تصویرِ مقدس ہر صنم خانے میں ہے
 لکشمی تو ہے زمانے میں اجالا ہے ترا
 ہر کنوں کا پھول پانی میں شوالا ہے ترا
 سرسوتی کا روپ ہے درگا کی ہے او تار تو
 نطقِ دانش کی ہے دیوی مادر غنخوار تو
 اف یہ سند رجھپ تری یہ سانوی صورت تری
 دل کے مندر کی ہے زینتِ موہنی مورت تری
 (مادر ہند)

پھولوں کو کنج دلکش بھارت میں ایک بنائیں
 حب وطن کے پودے اس میں نئے اگائیں
 خونِ جگر سے سینچیں ہر نخل آرزو کو
 اشکوں سے نیل بولوں کی آبرو بڑھائیں
 ایک ایک گل میں پھونکیں روحِ شہم وحدت
 ایک ایک کلی کو دل کے دامن سے دیں ہوانیں
 فردوس کا نمونہ ہو اپنا کنج دلکش
 سارے جہاں کی جس میں ہوں جلوہ گرفضاً میں
 چھایا ہو ابر رحمت کا شانہ چمن میں
 رم جہنم بر سر بی ہوں چاروں طرف گھٹائیں
 مرغیں باش بن کے اڑتے پھریں چمن میں
 لغتے ہوں روح افزا اور دلربا صدائیں
 حب وطن کے لب پر ہوں جانفزاترانے
 شاخوں پر گیت گائیں پھولوں پر چپھائیں
 پھولوں کا دلربا ہو منظر ہر ایک روشن پر
 کچھیں نہ ہو چمن میں کانٹے نہ ہوں خلش پر
 اس کنج دل نشیں میں قبضہ نہ ہو خزاں کا
 جو ہو گلوں کا تختہ تختہ ہو ایک جناب کا
 بلبل کو ہو چمن میں صیاد کا نہ کھکھا
 خوش خوش ہو شاخ گل پر غم ہونہ آشیاں کا
 امسن و اماں کے بادل بر سارے ہوں موئی
 اور ہو نزول ہر سو ابر گہر فشاں کا

حب وطن کا مل کر سب ایک راگ گائیں
 لہجہ جدا ہو گرچہ مرغانِ نغمہ خواں کا
 نغموں کی دھن سریلی اور ہو صدا رسیلی
 طرز بیاں ہو دلکش ہر مرغِ خوش بیاں کا
 ایک ایک لفظ میں ہو تاثیر بھرتے الفت
 اندازِ دلنشیں ہو ایک ایک داستان کا
 مرغانِ باغ کا ہو اس شاخ پر نیشن
 پہنچے نہ ہاتھ جس تک صیاد آسمان کا
 مل مل کے ہم ترانے حب وطن کے گائیں
 بلبل ہیں جس چمن کے گیت اس چمن کے گائیں

(چھوٹوں کا کنج)

آئے عروس حب وطن میرے بر میں تو
آنکھیں تری تلاش میں ہیں محو جستجو
آئے نگار تجھ کو گلے سے لگاؤں میں
آ مجھ سے ہمکنار ہو اے شوخ خوبرو
تیری شراب عشق کا آنکھوں میں ہو سرور
خلوت میں ہونہ ذکر مے دشیشہ و سبو
لپٹوں میں بے خودی میں جو تجھ سے شب وصال
باہیں ترے گلے میں ہوں لب پر یہ گفتگو
ٹوٹیں وہ پاؤں جن کونہ تیری تلاش ہو
پھوٹے وہ آنکھ جس کونہ ہو تیری جستجو
وہ گھر ہو بے چرانگ جہاں تیری فسو نہ ہو
وہ دل ہو داغ جس میں نہ ہو تیری آرزو
ناقوس اور اذال میں نہیں قید کفر و دیں
اس کے لیے جس کا پرستش کدھ ہے تو
گنگا نہایے شیخ اگر تیرا اذن ہو
تیرا اشارہ ہو تو برہمن کرے وضو
تیرا طریق عشق ہی ایمان ہے مرا
تیرے فدائیوں میں ہوں اے شوخ خوبرو
جلوہ نہ ہو کسی بت رعناء کا سامنے
وہ دن خدا کرے کہ ہو آنکھوں میں تو ہی تو

آہ اے خاکِ وطن اے سرمهہ نورِ نظر
آہ اے سرمایہ آرائشِ جان و جگر
تیرے دامن میں شُلگفتہ تھے کبھی قدرت کے پھول
گندھ رہے ہیں تیری چوٹی میں کبھی وحدت کے پھول
جب مسلطِ خلق پر تھی خواب غفلت کی لھنا
موتی بر ساتی تھی تجھ پر ابرِ رحمت کی لھنا
رفعتِ بامِ فلک تھی تیری پستی میں نہاں
عظمتِ خود تھی شرارِ اوج ہستی میں نہاں
جب تمدن کا بندھا عالم میں شیرازہ نہ تھا
شاید قدرت نے جب رُخ پر ملا غازہ نہ تھا
پارہ تہذیب سے خانی تھا جب یورپ کا خم
ایشیا کا آہ جب بیڑا تھا تاریکی میں گم
جب نہ تھی یونان میں علم و ہنر کی روشنی
جلوہ افروزِ خرد تھی تیرے گھر کی روشنی
آہ اے خاکِ وطن اے دردمند و بے قرار
آہ اے شوریدہ قسمت اے پریشاں روزگار
اڑ رہا تھا پرچھہ شہرتِ ترا افلاؤک پر
سرنگوں ہے تیری عظمت کا نشاں اب خاک پر
تیری شہرت کے نکیں خاکِ عدم میں ہیں نہاں
اب نہ وہ تختِ مرصع بے نہ تاجِ زرفشاں

جملہا کر بجھ گئے سب تیرے ایواں کے چرانغ

ہیں جگر کے داغ اب تیری شبستان کے چرانغ

(خاکِ وطن)

ہوائے دہر کی بگڑی ہے کچھ عجائب تاثیر
 ریاضِ قوم ہے اب انقلاب کی تصویر
 وہ طارِ ان چمن زار تھے جو خوش تقریر
 ترانہِ سنجی کے باعث ہوئے نفس میں اسیر
 غریبِ قید میں شام و سحرِ رُزپتے ہیں
 نفس میں بند ہیں بے بال و پر رُزپتے ہیں
 نہ ڈھنگ کر میرے صیاد اختیار نیا
 کہاں سے لائے گا ہر روز اک شاہکار نیا
 چڑھا نہ تیر پہ پیکاں آب دار نیا
 کہ روز روز ملے گا نہ جان شار نیا
 بچا نہ ناوک بے داد سے اگر کوئی
 ملے گا دوش پہ ڈھونڈے نہ تجھ کو سر کوئی
 اوہریگا تیر لے خدگ، فغاں کا ہے نجیر
 کمند غم میں اوہر بندے ماترم ۲ ہے اسیر
 دکھا رہی ہے محو رنگ گردشِ تقدیر
 کہ پائے اہلِ قلم میں آہنی زنجیر
 الہی خیر ہو یہ شور دار و گیر ہے کیا
 یہ حالِ ملک کا اے داورِ تقدیر ہے کیا

یہ انقلاب ہے کیا آسمان نا بنجار
کہ سارا ملک ہے اب خانہ جنگیوں کا شکار
نفاق و ظلم و حسد آہ قوم کا ہے شعار
کہ ہیں عروج کے بدالے زوال کے آثار
ہر ایک دیار میں بازار رستخیز ہے گرم
ہر ایک شہر میں ہنگامہ ستیز ہے گرم
مے نفق ہے لبریز آنگینوں میں
کہ جوش حب وطن اب کھاں ملکینوں میں
کدور تیں ہیں دلوں میں عناد سینوں میں
کہ تفرقة ہے قیامت کا ہم نشینوں میں
نفاق و کینہ ہے ایمان قوم واویا
کہ فرد فرد ہیں ارکان قوم واویا
جگر فگار جدا دل ہے دردمند جدا
کہ قومیت کے ہے پتلے کا بند بند جدا
روش جدا ہے طریقہ جدا پسند جدا
کہ ایک ایک کے ہے درپئے گزند جدا
یہ غیریت مرے پور دگار کیسی ہے
روش یہ قوم نے کی اختیار کیسی ہے

(شہر آشوب)

نہ چھیڑ بزم میں مطرب ترانہ نو روز
 سنا نہ زمزمه عاشقانہ نو روز
 سنوں میں سوختہ حال کیا فسانہ نو روز
 جگر کو پھونک رہا ہے زمانہ نو روز
 دل برستہ ہوں سوز و گداز نالہ ہوں
 نہ چھیڑ مجھ کو معنی کہ ساز نالہ ہوں
 وہ پھول ہوں کہ نہیں جس میں نہیں رنگ و بوئے نشاط
 وہ دل ہوں جس میں نہیں آہ آرزوئے نشاط
 شکتہ پا ہوں میں اے رہروانِ کوئے نشاط
 زبان بریدہ ہوں اے شوق گفتگوئے نشاط
 دہانِ زخم ہوں مطرب ترانہ کوش ہوں کیا
 زبان شیشه ہوں سرگرم ناؤ نوش ہوں کیا
 چمن کا قصہ عبرت فزا نیم نا
 گلوں کا حشر ہوا آہ کیا نیم نا
 پیام لالہ و گل کو مرا نیم نا
 سلام شوق دل بتلا نیم نا
 میری طرف سے یہ کہنا کہ شاہد ان چمن
 اگرچہ چھوٹ گیا مجھ سے آستاں چمن
 نظر میں ہے وہی اگلی بہار کا نقشہ
 خیالِ صحبتِ سرود چنار کا نقشہ
 رلا رہا ہے لہو آبشار کا نقشہ
 جگر کے داغوں میں ہے لالہ زار کا نقشہ
 گئی نہیں مرے سر سے ہوائے شاہدِ گل
 کہ ہوں قفس میں بھی محو ادائے شاہدِ گل

آہ اے بنگال! آلام و مصائب کے شکار
آہ اے کرزن کی پالیسی کے صید بے قرار
آہ اے نجیر ناوک خورد دست ستم
آہ اے خونیں جگر، خونیں کفن، خونیں مزار
آہ اے لذت چشم ذوق منے حب وطن
آہ اے جرد کش زہرا ب تنغ روزگار
آہ اے آماجگاہ ناوک جور فرنگ
آہ اے صید زبوں شوریدہ حال و بے قرار
تیرے پھولوں میں بے عالم زخم دامن دار کا
خوں رلاتی بے نگاہ شوق کو تیری بہار
دل کو برماتا ہوا گزرا جگر سے کس کا تیر
بوگیا تو کس شکار افغان کے ناوک کا شکار
کس کی تنغ ناز نے دل پر ترے چڑ کے دیے
مرغ بکل کی طرح جو ہے زمیں پر بے قرار
کر کے دو ٹکڑے کلیجے کے یہ تیرے کون آہ
چل دیا تجھ کو تڑپتا دیکھ کر بیگانہ وار
کیوں پچھاڑوں پر پچھاڑیں کھا رہا ہے ہائے تو
تیرے ارمانوں کا کس نے آہ کرڈلا فشار
کرز بے داد خواہ، ابل پولس، حکام وقت
تو ہوا فاف یہ کس کس کی جفاوں کا شکار

درگاہی سرور جہاں آبادی
 راتوں کو جس طرح جلتی ہے تو انجمن میں
 جلتا ہوں میں بھی یوں ہی سوز غم وطن میں
 لپٹے ہوئے ہیں شعلے دونوں کے پیر ہن میں
 اتش بجا ہیں دونوں اس محفل کہن میں
 یعنی گداز الفت دونوں کے ہے دلوں میں
 دونوں کی روشنی ہے دنیا کی محفلوں میں
 سینہ میں تیرے آہ سوز غم وطن ہے
 داغوں کا اک شلگفتہ دل میں مرے چمن ہے
 پروانوں کا تجھے غم اے شمع انجمن ہے
 قسمت میں آہ میری دل سوزی وطن ہے
 جلتا ہوں سوز غم میں وہ فنا طلب ہوں
 ہوں آگ پر لپتا وہ کب مصطرب ہوں

(شمع انجمن)

دورِ افق پہ سورج نو روز کا پھر آیا
 پھیلا کے جس نے کرنیں ذروں کو جگایا
 پھر صبح آرزو نے جلوہ ہمیں دکھایا
 خوابیدگانِ شب کو پھر نیند سے جگایا
 پھر جوشِ حبِ قومی اٹھا امنگ ہو کر
 آئی وطن کی الفتِ دل میں ترنگ ہو کر
 دورِ نشاط گردوں پھر دورِ جامِ جنم ہے
 پھر خارزارِ ہستی گلدستہِ ارم ہے
 خاموشِ انجمن میں بانگِ خروسِ غم ہے
 اٹھو سونے والو فرست کا وقتِ کم ہے
 دل کو نئی امنگیں پھر گدگدا رہی ہیں
 پھر سال نو کی خوشیاں ہمت بڑھا رہی ہیں

(نیا سال اور نئی امیدیں)

ارض و سما نور کے سانچے میں ڈھل گئے
 سوکر انھو کہ غیر ہیں آگے نکل گئے
 چار آئینہ حریف پہن کر نکل گئے
 شیروں کے رزم گاہ میں تیور بدلتے
 انھو کہ کل کا دیکھ رہے ہو یہ خواب کیا
 غفلت کی ہے پڑی ہوئی منہ پر نقاب کیا
 لشکر کشوں کی صفت تمہارا انتظار ہے
 سینہ سپر ہو بڑھ کے کہ ہے وقت کارزار
 میدان کے دھنی ہو جوانو اور ہوشیار
 آگے تمہارے کس کو بے دعوئی گیر و دار
 تم بھی دکھاؤ جو ہر پیکار رزم میں
 مردانہ دار بڑھ کے کرو وار رزم میں

(کارزار بستی)

فلک نے مجھ کو دکھائے ہیں سبز باغ بہت
 مئے نشاط کے چھلکائے ہیں ایا غ بہت
 کیے ہیں بزم تمنا کے گل چراغ بہت
 دیے ہیں ابل وطن نے جگر یہ داغ بہت
 کہاں کہاں کے دکھاؤں میں آہ داغ تجھے
 جلانہ دیں مرے دل سوز یہ چراغ تجھے
 ذرا سی رہنے کو دے کنج دلنشیں میں جگہ
 مجھے بھی تھوڑی سی صحرائی سرز میں میں جگہ
 شرار غم ہوں دل داغ آفریں میں جگہ
 ملے اگر ترے آغوش دلنشیں میں جگہ
 دکھاؤں اپنے وطن کی بہار باغ تجھے
 تپ دروں کے پھپولے جگر کے داغ تجھے
 پسند لالہ صحراء تری فضا ہے مجھے
 چمن کے پھولوں سے دل کش تری ادا ہے مجھے
 بہشت خانہ ترا کنج خوشنما ہے مجھے
 جنوں میں ترا انتظار سکوں فزا ہے مجھے
 گلوں سے ہے مجھے ترے جگر کا داغ پسند
 وہ رند ہوں کہ ہے تیرا مجھے ایا غ پسند
 مے نشاط کا تری سرور ہے دل میں
 تری شراب چھلکتی ہے آنکھ کے تل میں
 گلوں کا عکس شفق گوں ہے تیری منزل میں
 شراب سرخ کے شیشے ہیں تیری محفل میں
 عجب بہار ہے رنگیں جماليوں میں تری
 چھلکتی ہے مے احر پیالیوں میں تری

فریب خورده بزم نشاط دنیا ہوں
 میں انجمن میں شکست صدائے مینا ہوں
 نہ پوچھ ساقی صحرائے کون ہوں کیا ہوں
 شہید ناک بے مہری احیا ہوں
 سر شک خون سے دامن میں یوں گریاں سرخ
 لبو بھرا کسی گل کا ہو جیسے داماں سرخ
 ذرا سی رہنے کو دے کنج دلنشیں میں جگہ
 مجھے بھی تھوڑی سی صحرائے سرز میں میں جگہ
 شرار غم ہوں دل داغ آفریں میں جگہ
 ملے اگر ترے آغوش دلنشیں میں جگہ
 دکھاؤں اپنے چمن کی بہار باٹ تجھے
 تپ دروں کے پھپولے جگر کے داغ تجھے

(الله سحر)

کچھ عجب عالم ہے تیرے حسن کے انداز کا
 سرخ ڈوارا ہے کسی چشم فسوں پرواز کا
 قطرہ مضطرب ہوں خون کشتگان ناز کا
 قلب خون گشته ہے مژگاں پر کسی جانباز کا
 یا شفق کا کوئی ٹکڑا ہے زمیں پر جلوہ گر
 جامِ زریں میں ہے یا صہبائے احر جلوہ گر

گل بداماں ہے شفق میں شعلہ تنوری حسن
 خون عاشق یا زمیں پر ہے گریباں گیر حسن
 پا عقیق سرخ کی چھوٹی سی تعمیر حسن
 نقش نیرنگِ افسوں ہے یا کوئی تصویر حسن
 جلوہ گل ہے فضائے وادی کہسار میں
 سرخ نکھہ ہے قبائے سبزہ کہسار میں
 وادی پُر خار میں ایک مجر سوزال ہے تو
 دامن کہسار میں ایک شعلہ عریاں ہے تو
 کشت زار حسن میں ایک دانہ مر جاں ہے تو
 یا کسی گلگلوں قبا کا گوشہ داماں ہے تو
 ناز ہے صحراء کو تیری شوختی رفتار پر
 دوڑتا ہے خون کا قطرہ سبزہ کہسار پر
 گل بداماں ہے کوئی دوشیزہ کمن مگر
 بلکی پھلکی سرخ پھولوں کی ہے چادر دوش پر
 وقف رعنائی ہے یا کوئی عروس سیم بر
 روئے زیبا پر ہے غازہ سرخ جوڑا زیب پر
 ٹوٹتا ہے کوئی بکل سبزہ بیگانہ پر
 یا مے گلگلوں کا قطرہ لب پیمانہ پر
 حسن میں تیرے ہے اے ناظورہ ناز آفریں
 فندق پائے حیناں کی ادائے دلنشیں
 جلوہ رخ سے تیرے گلگلوں ہے دامان زمیں
 بزم صحراء میں ہے تو جام شراب آتشیں
 بادہ گلگلوں ترے چھوٹے سے پیمانے میں ہے
 عالم نیرنگ افسوں ترے میخانے میں ہے

آ کلیج سے لگاؤں تجھ کو مارِ یا سمیں
ہیں کسی گیسو کے خم تجھ میں کسی ابرو کے چیں
یہ قیامت کی شکن اور یہ بلا کے پیچ و خم
آہ کس کافر ادا کی تو ہے زلف عنبریں
آہ ظالم اف رے تیری گرمی جانسوز حسن
دل کو پھونکے دیتی ہے تیری نگاہ آتشیں
بزرہ زاروں میں ہے شب کو ایک عروس بے نقاب
دن کو بانی میں ہے تو اے شاہد پردہ نشیں
شب کو بانی سے دلبہن بن کر نکلتا یوں ہے تو
بال کھولے گھر سے نکلے جیسے کوئی مہ جبیں
پھن اٹھا کر ہائے وہ مستی میں لہرانا ترا
جیسے بو جوبن کی متواالی کوئی ناز آفریں
او ستم گر آہ کب کالا سمجھتا ہوں تجھے
میں تو اپنا گیسوؤں والا سمجھتا ہوں تجھے
حسن میں تیرے ہے مضر ایک ادائے عشق بھی
تو وہ نیرنگ فسوں ہے آہ او عشوہ طراز
پاؤں میں پڑتا جو میرے بن کے تو زنجیر عشق
اپنی زلفوں پر نہ ہوتا گیسوؤں والوں کو ناز
میری نظروں میں ہیں دونوں مارو گیسو ایک سے
چارہ گر جوش جنوں میں کیسی قیدِ امتیاز
ہوں اسیر زلف ہاتھوں میں کھلاوں آ تجھے
میں نہیں ہوں شیوه رسم و فاسے بے نیاز

ٹوٹ بھی جائے طسم دام ہستی ٹوٹ جا
 انھ بھی جا آنکھوں سے تو اے پردہ عشق مجاز
 دوست دشمن میں رہے باقی نہ مجھ کو تمیز
 کھینچ دے تصویر یک رنگی دل آئینہ ساز
 میں سمجھ کر ناکسی کافر کی زلف عنبریں
 آتیں میں اپنی پالوں تجھ کو مارے یا سمیں
 (ماریا سمیں)

”شیون عروس“ (اردو زبان)

سو گیا بالش پہ سر رکھ کر میں دم فکر خن
 ناگہاں آئی نظر ایک لعبت سیمیں بدن
 الج سلچھے بال متانہ ادا متواںی چال
 تیکھی چتوں، گورے گورے گال چھوٹا ساد ہن
 ننھی ننھی انگلیاں پتلی کمر بونا سا قد
 اس میں سونے پہ سہاگہ جامہ فربی کی پھبن
 گوری گوری ساق سیمیں پیاری پیاری ایڑیاں
 قد چھریرا جسم سانچے میں ڈھلا نازک بدن
 ننھے ننھے دانت کلیاں موٹیا کی خوشنا
 پتلے پتلے نرم و نازک ہونٹ برگ یا سمن
 ہے لب رنگیں یہ مسی کی اوہبٹ کے نشاں
 اودے اودے فالسوں کا تھا شگفتہ ایک چمن
 دوش پر زرکش ردا چہرے پہ زرینہ نقاب
 سیم قامت، سیم بر، سیمیں بدن، سیمیں ذقن
 لب میں چانِ ولبری، آنکھوں میں سحر سامری
 قد میں تھی فتنہ گری رفتار میں تھا باانکپن
 رخ کی افشاں کا عجب عالم تحریر خیز تھا
 دن میں آتی تھی نظر تاروں بھری ایک انجمن
 گورے گورے ہاتھوں میں تھی دھانی دھانی چوڑیاں
 پیارے پیارے بازوؤں میں بلکے بلکے نور تن
 بھینی بھینی بس کے آتی تھی تن نازک سے بو
 صانعِ قدرت نے صندل کا بنایا تھا بدن

حسن کی مانی ہوئی اک اک سے انھلاتی ہوئی
 چلبلی، چنپل، رنگیلی، سانولی، غنچہ دہن
 جب نظر اس سج دھم سے آئی وہ عروسِ مہ لقا
 لے گئی دل کواز اکر صاف گھونگھٹ کی پھبن
 اس سے پوچھا میں نے آہستہ بصد اظہار شوق
 او رنگیلی لمبے گھونگھٹ والی شر میلی دہن
 کیا ترانام و نشان ہے کیا حسب ہے کیا نسب
 ہے کہاں تیرا گھرانہ اور کدھر تیرا وطن
 کس کے نازوں کی ہے تو پالی ہوئی اے ناز نیں
 کس کے آنکھوں کی ہے پتلی اے بت انقوی شکن
 شمع محفل جس کی ہے تو وہ شبستان ہے کدھر
 توکلی ہے جس کی پھواؤں کا کہاں ہے وہ چمن
 مجھ سے سن کر یہ سخن گردان جھکا کر شرم سے
 یوں ہوئی گویا زبان سے وہ عروسِ سیم تن
 یادگارِ عز و شان دولتِ اسلام میاں
 دلی والی ہوں میں اردوئے معلیٰ کی دہن
 دورہ اسلام میں تھا جو کبھی کرسی نشیں
 لوح اور ارق زمانہ پر ہوں وہ نقشِ کہن
 شاہزادی تھی کبھی دلی کی میں او بے خبر
 میرے سر پر چتر شاہی تھا کبھی سایہ فلن
 مٹ گئے سب رفتہ رفتہ میری عظمت کے نشان
 رکبیا باقی فقط افسانہ رنج و محن
 وہ مرا نخا سا سن و جانفزا طفیلی کے دن

وہ شرارت، وہ نزاکت، وہ ادا، وہ بانکپن
 باتیں کرنا سیچھی تھی بیگموں کی گود میں
 ڈھل رہا تھا حسن کے سانچے میں اندازِ سخن
 ایک طسم نو کلیدِ شوختی تقریر تھی
 قفلِ ابجدِ بن کے کھل جاتا تھا چھوٹا سادہن
 جب ہوا بونا سا قد نشو و نما پاکر بڑا
 رکھ دیا سر پر فصاحت نے میرے تاجِ سخن
 لے اڑی پردے سے باہر پھر تو شوختیِ حسن کی
 بن کے قصہ مختصر یاروں میں آئی میں دلہن
 کچھ دنوں بارے روی دلی میں سرگرمِ نشاط
 جا کے چمکا باہر ایک مخالف میں رنگِ انجمان
 رفتہ رفتہ لکھنؤ کو پھر مرا چالا ہوا
 بن کے میکے سے گئی سرالِ شر میلی دلہن
 پنجی نظروں نے کیا کتنے جوانوں کو شہید
 کر گئی کتوں کو بکل میرے گھونگھٹ کی پھبن
 سر میں برسوں سے جو تھا جوشِ غزلخوانی بھرا
 آکے چکے حسن کے پھولوں پہ مرغانِ چمن
 شاعروں نے ایشیائی طرز پر ڈھالا مجھے
 کر دیا اس پر ملمع تھا جو کندن سا بدن
 زلف میں شانہ کیا، کاجل لگایا آنکھ میں
 بھینی بھینی بدھیاں پھولوں کی کیس زیب بدن
 کچھ عجب انداز سے کھینچا مرا نقش وجود
 کر دیا معدوم دونوں کو کمر کیا کیا دہن

رخ پہ گلگونہ ملا مہندی لگائی ہاتھ میں
 رنگ دیا رنگِ تصنع سے مرا سارا بدن
 لوح ہستی پر بنائے آہ میرا کالبد
 رنگ بھر بھر کر بگاڑا پیکرِ حسن خن
 او رنگیلی قوم او دلدادہ رنگِ نشاط
 او شہیدِ جلوہ حسن بتاں سیمِ تن
 تا کجا سرگرم افکار پریشاں کمر
 تا کجا نکتہ طراز فکرِ مضمون دہن
 ہے پہر قوم پر چھائی ہوئی ہے رونقی
 لگ رہا ہے آہ دونوں چاند سورج کو گر ہن
 کچھ خبر بھی ہے تجھے او نیند کے ماتے ہوئے
 بن رہی ہے اب تری شہرِ خموشاں انجمن
 اب تو انھوں کو سوتے سوتے صدیاں ہو گئیں
 اب تو تو کروٹ بدلا زمانے نے فشن
 اب تو کردے مرغِ دل کو دام گیسوئے رہا
 سامنے ہے خوشنا نیچر کے پھولوں کا چمن
 ایشیائی وضع سے دل میرا گھرانے لگا
 مجھ کو صدیاں ہو گئی پہنے ہوئے یہ پیر ہن
 اور زمانہ وہ بھی ہو گا کوئی دور روزگار
 بن کے جب پردے سے نکلوں گی میں نیچر کی دلبیں
 میں پہر قوم پر چمکوں گی بن کر آفتاب
 وہ بھی دن ہوں گے کوئی اے کردش چرخ کہن

ہمراہ اپنے بن کو مجھے ناتھ لے چلو
 ریکھا تمہاری چرنوں کی بوس ساتھ لے چلو
 نازک ہے میرا شیشہ دل ٹوٹ جائے گا
 چھوٹا تمہارا دلیش تو جی چھوٹ جائے گا
 گھر میں جو چھوڑ جاؤ گے سیتا غریب کو
 پاؤ گے بن سے آکے نہ جیتا غریب کو
 ایسے تمہارے ساتھ پھروں گی میں بن میں خوش
 بھنورا کلی کلی پہ ہو جیسے چمن میں خوش
 پیتا مبر سمجھ کر درختوں کی چھال کو
 آرستہ کروں گی قد نو نہال کو
 سبزہ بنا کے لائے گا بستر مرے لیے
 جھولا جھلانے آئے گی صرصر مرے لیے
 صورت تمہاری دیکھ کے غم بھول جاؤں گی
 صحرائے سارے رنج و الم بھول جاؤں گی
 کرپا ندھان مجھ کو نہ دکھ دو ویوگ کا
 پروانوں کے پران نہ دکھ دو ویوگ کا

(سیتا جی کی بے قراری سے)

تصویرِ جمال عالم آرا بن کر
زیبا صنم و نگار یکتا بن کر
نوروز آیا ہے لے کے پیغام نشاط
چوتھی کی دلہن عروس رعناء بن کر

اتری فصاحت کی پری شیشوں میں
یا نطق کی جلوہ گری شیشوں میں
اوراق ادیب میں یہ اشعار سرور
یا ہے منے لالہ گوں بھری شبیشے میں

آنکھوں سے خمار ذوق مستی اترا
خاطر سے غبار اونچ پستی اترا
پہنا جو کفن تو سرگردان نہ ربی
بلکے بوئے ہم رخت ہستی اترا

کس سختی سے قیدِ جسم و جان کلتی ہے
رو رو کے زندگی یہاں کلتی ہے
کرتی ہے جو جل کے راز پروانہ فاش
محفل میں شمع کی زبان کلتی ہے

دل بجھ گیا دل کے داغ اب تک نہ بجھے
سو زالم فراغ اب تک نہ بجھے
تھی سینہ میں جو ہوس دھواں بن کے اڑی
محفل کے مگر چراغ اب تک نہ بجھے

کتابیات

- (۱) سرور جہاں آبادی جام سرور اندیں پر لیں الہ آباد بدھوں تاریخ
- (۲) سرور جہاں آبادی "جمکدہ سرور" مرتب: قاضی محمد غوث غوث فضا حیدر آبادی طبع حیدر آباد
- (۳) سرور جہاں آبادی خاندانہ سرور زمانہ کانپور ۱۹۱۱ء
- (۴) سرور جہاں آبادی خون ناحق و دیادرپن پر لیں میرٹھ ۱۸۹۸ء
- (۵) سرور جہاں آبادی نیرنگ قلق و دیادرپن پر لیں میرٹھ ۱۸۹۸ء
- (۶) سرور جہاں آبادی دشنه قلق و دیادرپن پر لیں میرٹھ ۱۸۹۸ء
- (۷) ڈائٹر چند نیر سرور جہاں آبادی: حیات اور شاعری ادارہ فروغ اردو لکھنؤ ۱۹۶۸ء
- (۸) الہ سری رام خاندانہ جاوید ہمدرد پر لیں دہلی ۱۹۲۶ء
- (۹) رام بابو سکینہ تاریخ ادب اردو (ترجمہ محمد عسکری) مطبع منتی نول کشور لکھنؤ
- (۱۰) خواجہ عشرت لکھنؤ ہندو شعرا طبع لکھنؤ ۱۹۳۱ء
- (۱۱) جگر بریلوی یاد رفتگان
- (۱۲) محمد شاہ نواز خاں خلاصہ تاریخ ادب اردو انوار بکڈپو علی گڑھ ۱۹۸۶ء
- (۱۳) سیما صیغیر سرور جہاں آبادی اور ان کی شاعری (ہندی) سندربھ
- (۱۴) پرتاپ چند آزاد سرور جہاں آبادی (مضمون) مطبوعہ نیادور لکھنؤ ۱۹۱۰ء
- (۱۵) ناز ام لطیف سرور جہاں آبادی آجھل ۱۵ مئی ۱۹۳۳ء
- (۱۶) اکبر حیدری کاشمیری اقبال کی بعض نادر و نایاب تحریریں اردو اکادمی، اتر پردیش مارچ / اپریل ۱۹۹۱ء

مولانا حسین آزاد اور خواجہ الطاف حسین حالی نے اردو نظم میں مقصدیت کی جس روایت کو فروغ دیا تھا، درگاہہ سرور جہاں آبادی اس روایت کے امین تھے۔ سرور نے نظم کے موضوعات ایسے اچھوتے منتخب کیے جو اس سے قبل اردو شاعری میں متعارف نہیں تھے۔ سرور نے تاریخی شخصیات پر نظمیں لکھیں۔ معاصر شخصیات کے مرثیے لکھے۔ فطرت کی تصویر کشی کی، پہاڑوں، ندیوں، موسموں، پھولوں اور خوشبوؤں پر نظمیں کہیں، وطن کی عظمت کے گن گائے۔